صوت الامہ
ستمبر 2026ء
جہاد کے نام پر فساد
خوارج کا گھناؤنا دھندہ
مدارس کے بینک اکاؤنٹس سے متعلق
دیرینہ مسئلے کے حل میں اہم پیش رفت
فکری یگانگت بین المسالک ہم آہنگی
اور پیغامِ امن کا تاریخی ایک سال
حکمران کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہوسکتا
ہر شہری دستوری و آئینی میثاق کا پابند
پیغام پاکستان متفقہ فتویٰ
PAIGHAM E PAKISTAN
A MESSAGE OF PEACE FROM PAKISTAN
پیغام پاکستان
نام نہاد آزادی کے نام پر
حیوانیت کا ننگا ناچ
ذاتی مفادات کیلئے
مساجد و مدارس کا استحصال
خلافِ شریعت
کیا خلافِ شریعت ہر فیصلہ کفر ہے؟
خوارج کے سطحی فہم پر علمائے امت کی کاری ضرب

القرآن

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ۙ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۔ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۔

اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ سن لو: بیشک یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں مگر انہیں (اس کا) شعور نہیں۔ (سورہ بقرہ آیت 12،11)

حدیث مبارکہ

وَلِنَجْرَانَ وَحَاشِيَتِهَا ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ، عَلَى دِمَاءِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَرهبانيتهم وأساقِفَتِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَبَعْثِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُغَيَّرُ مَا كَانُوا عَلَيْهِ، وَلَا يُغَيَّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُفْتَنُ أُسْقُفٌ مِنْ أُسْقُفِيَتِهِ، وَلَا رَاهِبٌ مِنْ رَهْبَانِيَتِهِ، وَلَا واقف مِنْ وقافيته، عَلَى مَا تَحْتَ أَيْدِيهِمْ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ، وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ رَهَقٌ.

اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہلِ نجران اور ان کے حلیفوں کے لیے اُن کے خون، ان کی جانوں، ان کے مذہب، ان کی زمینوں، ان کے اموال، ان کے راہبوں اور پادریوں، ان کے موجود اور غیر موجود افراد، ان کے مویشیوں اور قافلوں اور اُن کے استھان (مذہبی ٹھکانے) وغیرہ کے ضامن اور ذمہ دار ہیں۔ جس دین پر وہ ہیں اس سے ان کو نہ پھیرا جائے گا۔ ان کے حقوق اور اُن کی عبادت گاہوں کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ نہ کسی پادری کو، نہ کسی راہب کو، نہ کسی سردار کو اور نہ کسی عبادت گاہ کے خادم کو۔ خواہ اس کا عہدہ معمولی ہو یا بڑا، اس سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور ان کو کوئی خوف و خطر نہ ہو گا۔“

(ابن سعد، الطبقات الکبری، 1:288، 358)

ماہنامہ

صوت الامہ

MONTHLY

SAUT-UL-UMMAH

ستمبر 2026ء

رئیس التحریر
ابوحمزہ مدنی

مدیر
شاھد اقبال

نائب مدیر
ابوعبداللہ فاروقی

ترتیب مضامین

اداریہ ---------- ۰۴

جہاد کے نام پر خوارج کا گھناؤنا دھندہ ---------- ۰۵

ذاتی مفادات کیلئے مساجد و مدارس کا استحصال خلاف شریعت ---------- ۰۷

فکری یگانگت بین المذاہب ہم آہنگی اور پیغام امن کا تاریخی سال ---------- ۱۰

مدارس کے بینک اکاؤنٹس سے متعلق دیرینہ مسئلے کے حل میں اہم پیش رفت ۱۴

ہر شہری دستوری و آئینی میثاق کا پابند، پیغام پاکستان متفقہ فتویٰ ---------- ۱۶

حکمران کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا ---------- ۱۷

کیا خلاف شریعت ہر فیصلہ کفر ہے؟ ---------- ۲۰

نبوی وراثت کا تقدس اور ارضی اقتدار کا فرق ---------- ۲۳

حکمران کے عوام پر دس بنیادی حقوق ---------- ۲۵

رحمت، عدل اور صبر ---------- ۲۸

تسخیر قلوب سے تعمیر امن تک، فتح مکہ کا اخلاقی و روحانی انقلاب ---------- ۳۰

مجلس مشاورت

مولانا مفتی سعید احمد مروت

مولانا زاہد عباسی

علامہ احسان اللہ فاروقی

اسلم خان وزیر

قلمی معاونین

ابن الحسن

شفیق الدین عباسی

عبداللہ فاروقی

عبداللہ ترمذی

مفتی امیر حسین حقانی

زرتعاون فی شمارہ 100/- روپے

سالانہ تعاون: 1200/- روپے

موبائل: 03330172380

ای میل: soutulummah@gmail.com

Twitter: sautulUmmah

Facebook: soutulummah@gmail.com

نام نہاد آزادی کے نام پر حیوانیت کا ننگا ناچ

اداریہ

ابو حمزہ

بلوچستان میں نام نہاد آزادی اور حقوق کی ڈفلی بجانے والے فتنہ الہندوستان کا مکرُوہ اور خونخوار چہرہ ایک بار پھر عالمی برادری اور خوددار بلوچ قوم کے سامنے بے نقاب ہو چکا ہے۔ صوبائی وزیرِ داخلہ ضیاء لانگو کی حقائق سے لبریز پریس کانفرنس نے اس بھیانک سچائی سے پردہ اٹھایا ہے کہ کس طرح جنوبی بلوچستان کے علاقے مکران سے 16 سالہ زینب اور 12 سالہ فاطمہ جیسی بے گناہ اور کمسن بچیوں کو مکرو فریب کے جال میں پھنسا کر پہاڑوں پر منتقل کیا گیا۔ انہیں مسلسل چالیس دن تک تاریک اور بند مکانات میں قید رکھ کر ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تاکہ انہیں خودکش بمبار بنا کر بے گناہ انسانوں کی راکھ پر اپنے ناپاک ایجنڈے کی عمارت کھڑی کی جا سکے۔ اگر ہماری سکیورٹی فورسز اعلیٰ ترین بیدار مغزی، پیشہ ورانہ مہارت اور فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بروقت ان بچیوں کو بازیاب نہ کرواتیں تو یہ درندے انسانیت کو ایک ہولناک المیے سے دوچار کر چکے ہوتے۔ فورسز کی اس دلیرانہ کارروائی نے نہ صرف ان نادان بچیوں کو نئی زندگی عطا کی بلکہ ملکِ خداداد کو ایک عظیم تباہی سے محفوظ کر لیا۔ خود کو بلوچ عوام کے حقوق کا نقیب گرداننے والا یہ گمراہ ٹولہ درحقیقت بلوچ روایت، غیرت اور چادر و چار دیواری کے تقدس کا سب سے بڑا قاتل ہے۔ اس گروہ کے سفاکانہ مظالم کی داستان یہاں ختم نہیں ہوتی، زینب کے شوہر سمیت اس کے ایک ہی خاندان کے آٹھ سے دس افراد کو بے دردی سے تیغِ ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ جب سیف نامی شہری نے اس مذموم ایجنڈے میں آلہ کار بننے سے انکار کیا تو اسے بھی سفاکی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ شقاوت کی حد تو یہ ہے کہ سیف کے قتل کے بعد ان درندوں نے الٹا سکیورٹی فورسز پر الزام تراشی کر کے مظلومیت کا گھناؤنا ناٹک رچایا۔ تاریخ اور روایت شاہد ہے کہ بلند بخت بلوچ ثقافت میں معصوم عورتوں اور بچیوں کو غیر مردوں کے رحم و کرم پر پہاڑوں میں رکھنا سخت ترین عار اور ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا ہے مگر یہ وطن دشمن عناصر غیر ملکی آقاؤں کی پے رول پر بلوچ ناموس کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔ عوام اکثر ایک ظاہر ہونے والے واقعے پر سوال اٹھاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری سکیورٹی فورسز خاموشی اور گمنامی میں ہر روز دشمن کے ایسے درجنوں خوفناک عزائم کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ دینِ اسلام نے جاہلیت کے ان تمام سیاہ رواجوں کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا تھا جہاں بچیوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ قرآنِ پاک نے واضح فرمایا ہے کہ جس نے کسی ایک انسان کو ناحق قتل کیا، اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا اور روزِ محشر زندہ گاڑی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں قتل کی گئی۔ سرورِ کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بچیوں کو رحمتِ الٰہی قرار دیا، ان کی بہترین پرورش پر جنت کا مژدہ سنایا اور جنگ کی حالت میں بھی خواتین، بچوں اور غیر مسلح افراد پر ہاتھ اٹھانے سے سخت منع فرمایا۔ فتنہ الہندوستان کے یہ درندے ان مقدس اسلامی تعلیمات سے انحراف کر کے خود کو دائرہ انسانیت سے خارج کر چکے ہیں۔ دوسری جانب آئینِ پاکستان کا آرٹیکل 9 ہر شہری کی زندگی کا تحفظ یقینی بناتا ہے اور آرٹیکل 35 ریاست کو ماں اور بچے کے تحفظ کا پابند بناتا ہے۔ ریاستِ پاکستان ان معصوم بچیوں کو تعلیم، صحت اور روشن مستقبل دینے کے لیے کوشاں ہے جبکہ یہ دہشت گرد انہیں جہالت اور موت کے اندھیروں میں دھکیل رہے ہیں۔ بچیوں کے والدین شدید ندامت اور صدمے کی حالت میں ہیں کہ ان کی لختِ جگر کس طرح فریب کا شکار ہوئیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ قوم اس دجل کو پہچانے۔ پاکستان کے باحمیت عوام، غیور بلوچ قوم اور ہماری ناقابلِ تسخیر افواج مل کر فتنہ الہندوستان اور اس کے غیر ملکی آقاؤں کے تمام ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتی رہیں گی اور ارضِ پاک کی طرف اٹھنے والی ہر میلی آنکھ کو ہمیشہ کے لیے سرمہ بنا دیا جائے گا۔

جہاد کے نام پر فساد
خوارج کا گھناؤنا دھندہ

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ امت مسلمہ کو جتنا نقصان خارجیت کے اس ناسور نے پہنچایا اتنا کسی کافر یا کھلے دشمن نے بھی نہیں پہنچایا

خارجی نور ولی محسود اینڈ کمپنی روئے زمین پر وہی خارجی ٹولہ ہے جن کی مذمت اور علامات قرآن و احادیث میں موجود ہیں

مفتی امیر حسین حقانی

تاریخ کے مقتدر ترین ایوانوں سے لے کر سرحدوں کی گرد آلود لکیروں تک پاکستان کا نام ہمیشہ ایک ناقابل تسخیر استعارے کے طور پر گونجا ہے مگر سچائی یہ ہے کہ اس وقت یہ پاک سرزمین تاریخ کے سنگین ترین کراس روڈ پر کھڑی ہے جہاں اسے صفِ اول کی چومکھی جنگ کا سامنا ہے۔ پاکستان کے مقدر میں جہاں ہمیشہ معرکہ ہائے حق و باطل رہے ہیں، وہاں یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس ملک نے ہر محاذ پر اپنے ابلیسی اور ناپاک عزائم رکھنے والے دشمنوں کو وہ عبرتناک اور دھول چٹاتی شکست دی ہے جو تاریخ کا تابناک حصہ ہے لیکن جب دشمن میدانِ کارزار میں دوبدو مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور عسکری محاذ پر بدترین رسوائی اس کا مقدر بنی تو اس نے مکر، منافقت اور غداری کا وہ زہر آلود پیالہ ڈھالا جس نے حق و باطل کی تمیز ہی مٹانے کی قبیح کوشش کی۔ مقدس ترین کلمات، دینِ اسلام کے پاکیزہ مفاہیم اور جہادِ فی سبیل اللہ کی مطہر روح کو ایک خونخوار، انسانیت سوز اور باطل بیانیے کا غلاف پہنا کر ریاستِ خداداد کے امن کو تار تار کرنے کا ناپاک کھیل شروع کر دیا گیا۔ یہ کرائے کے قاتل، یہ سفاک درندے اور باطل کے کارندے درحقیقت انہی عاق ناخلفوں کے پالے ہوئے سانپ ہیں جن پر ریاستِ پاکستان کے احسانات کی تاریخ کسی ایک داستان کی محتاج نہیں بلکہ دہائیوں پر محیط ایک درخشان باب ہے۔ پاکستان نے روس کی ہولناک جنگ میں انہی افغان طالبان اور افغان عوام کو سرخ ریچھ کے خونخوار پنجوں سے بچانے کے لیے اپنا تن من دھن قربان کیا۔ روس کی ذلت آمیز واپسی کے بعد جب افغانستان خونریز خانہ جنگی کی دلدل میں دھنس رہا تھا تب پاکستان نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما۔ اس کے بعد دو دہائیوں تک امریکہ اور نیٹو کی طوفانی جنگ میں پاکستان نے اپنے وجود پر زخم سہہ کر بھی ان کی پشت پناہی کی اور پھر دوحہ مذاکرات سے لے کر دنیا کے ہر مقتدر عالمی اور سفارتی فورم پر ان کے حقوق اور تسلیم و رضا کی وکالت کی مگر افسوس صد افسوس! اقتدار کی مسند پر بیٹھتے ہی ان ناعاقبت اندیشوں نے احسان شناسی، برادرانہ اسلامی تعارف اور اچھے ہمسائے کے اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ہی محسن کی پیٹھ میں زہر آلود خنجر گھونپ دیا۔ دوحہ معاہدے کے بعد بجائے اس کے کہ وہ پاک سرزمین کا احترام کرتے، انہوں نے ان یہود و ہنود اور پاکستان کے ازلی دشمنوں کی دلالت اور سہولت کاری کو چنا جو ماہانہ بنیادوں پر اربوں ڈالرز کے بدلے ان سے اپنوں کا خون خرید رہے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی مکروہ اور شرمناک احسان فراموشی کی مثال ملنا محال ہے کہ جن کی نسلوں کو پال کر جوان کیا، انہوں نے ہی اقتدار پاتے ہی قاتلوں کو گلے سے لگایا اور اپنے محسنین کے خلاف صف بندی کر لی۔

ان کرائے کے قاتلوں اور فتنہ پرور خوارج کو چند ارب ڈالرز کے عوض مسلمان ملک پر حملے کرنا اور فساد برپا کرنا تو یاد رہا لیکن وہ مدینے والے تاجدار، جناب سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ واضح، سخت اور قطعی فرامین بھول گئے جن میں کسی بھی قائم شدہ اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت اور مسلح خروج کو اسلام سے خروج اور شدید ترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کے اس ظالم و جابر فتنے کی نقاب کشائی کرتے ہوئے واضح فرمایا تھا کہ یہ لوگ کلاب النار" یعنی جہنم کے کتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایات میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بظاہر قراتِ قرآن کریں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے

پار نکل جاتا ہے، اوران کی سب سے بڑی شناختی علامات یہ ہوگی کہ وہ کفار و بت پرستوں کو چھوڑ کر کلمہ گو مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ تاریخِ اسلام پر نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ امت مسلمہ کے وجود کو اتنا نقصان کسی کافر یا کھلے دشمن نے نہیں پہنچایا جتنی گہری اور خونچکاں ضربیں خارجیت کے اس بدبودار ناسور نے لگائی ہیں۔

آج اگر کوئی شخص نور ولی محسود اینڈ کمپنی اور ان کے حمایتیوں کے کرتوتوں اور سوچ کا باریک بینی سے جائزہ لے تو وہ بلا خوفِ تردید اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ روئے زمین پر وہی خوارجی ٹولہ ہے جس کا خاکہ قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ میں پیش کیا گیا ہے۔ وہی پرانا دجالی کھیل، وہی من گھڑت بیانیہ اور وہی ظاہری حلیے، چہروں پر لمبی داڑھیاں، سروں پر عمامے اور ہاتھوں میں تسبیحاں سجا کر خود کو اسلام کا واحد ٹھیکیدار اور محافظ بتانے والے یہ درندے درحقیقت اسلام کے سب سے مضبوط قلعے یعنی پاکستان کے درپے ہیں۔ یہ عناصر جہاد جیسے مقدس ترین فریضے کو بدنام کر کے دفاعی اعتبار سے دنیا کی واحد ایٹمی اسلامی ریاست اور اس کے تحفظ کی ضامن پاک فوج پر حملے کر رہے ہیں۔ ریاست اور افواجِ پاکستان گزشتہ دو دہائیوں سے اس فتنے کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ ان دہشت گردوں نے نہ صرف ہزاروں معصوم شہریوں، جید علماء کرام، اساتذہ، معصوم بچوں اور سیکورٹی اہلکاروں کا ناجائز خون بہایا ہے بلکہ قرآن وسنت کی سچی روح کو مسخ کرنے کی انتہائی شقی القلب کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی پوری عمارت امن، سلامتی، اخوت اور انسانی حرمت کی محکم بنیادوں پر قائم ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں واضح اور قطعی حکم صادر فرمایا: "وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا" یعنی زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ اللہ کے اس ایک فرمان نے قیامت تک کے تمام فسادیوں، دہشت گردوں اور خوارج کے من گھڑت اور گمراہ کن بیانیے کو پاش پاش کر دیا ہے۔ اس فتنہ انگیزی اور خوارجی فکر کے رد میں پاکستان کے ہزاروں متفقہ علماء کرام نے "پیغام پاکستان" جیسا تاریخی اور متفقہ سند یافتہ فتویٰ مرتب کیا، جس کے بعد اس نام نہاد جہاد کی شریعت میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب یا قانون کسی بے گناہ کا خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآنِ مجید کی سورۃ المائدہ میں ارشادِ ربِ العزت ہے: "مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا" یعنی جس نے کسی ایک انسان کو بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کیا، اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا، اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا پوری انسانیت کو زندگی بخش دی۔ اس واضح ترین قرآنی اور انسانی معیار کے ہوتے ہوئے مساجد، بازاروں، سکولوں، جنازوں، پولیس لائنز یا عسکری چوکیوں پر خودکش حملے کرنا اور بے گناہوں کے جسموں کے چیتھڑے اڑانا جہاد نہیں بلکہ صریح فساد اور قرآن کے مفاہیم کو مسخ کرنے کا جرمِ عظیم ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ ایک اور مقام پر خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر سنہرے الفاظ میں اعلان فرمایا کہ ایک مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر قیامت تک کے لیے حرام ہے۔

اگر صرف انہی ارشاداتِ نبوی کو میزان بنالیا جائے تو ان خوارج کا نام نہاد "پرائیویٹ جہاد" اور خونخوار کھیل لمحوں میں باطل، مردود اور ابلیسی کھیل ثابت ہو جاتا ہے۔ اس خوارجی عفریت اور فتنہ پروری کا خاتمہ صرف عسکری محاذ پر گولہ باری سے نہیں بلکہ فکری، نظریاتی اور سفارتی سطح پر بھی ناگزیر ہے۔ پاکستان کے دشمن سرحد پار افغان سرزمین کی محفوظ پناہ گاہوں سے فائدہ اٹھا کر حملہ آور ہوتے ہیں اور ان شرپسندوں کو وہاں سے ہر قسم کی سہولت کاری میسر آتی ہے۔ اقوامِ متحدہ اور عالمی اداروں کی بے شمار رپورٹس اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کر چکی ہیں کہ افغانستان کی سرزمین کو پاکستان کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسلام ہمسائے کے حقوق، عہد کی پاسداری اور بدسگالی سے بچنے کا درس دیتا ہے۔ سورۃ الانفال میں ارشاد ہے کہ اگر تمہارے اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو عہد کو پورا کرو۔ لہٰذا کسی بھی نام نہاد اسلامی حکومت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسے عناصر کو پناہ دے جو بے گناہ انسانوں کی جانوں سے کھیلتے ہوں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ منبر و محراب، درسگاہیں، جامعہ جات، صحافتی برادری، دانشور اور اساتذہ ایک پیج پر جمع ہو کر اس بدبودار بیانیے کے خلاف فکر و نظر کی جنگ لڑیں۔ جہاد کا اختیار صرف اور صرف ریاست کے پاس ہوتا ہے، یہ کسی مسلح ٹولے، جذباتی ہجوم یا کرائے کے قاتلوں کا کھیل نہیں ہے۔ پاکستان کی بقا عسکری طاقت کے ساتھ ساتھ نظریاتی اور فکری وضاحت میں پوشیدہ ہے۔ جب تک ہماری نسلِ نو کو قرآن و سنت کی سچی اور روشن تعلیمات اور ان خوارج کے اصل دجالی چہرے سے روشناس نہیں کرایا جائے گا، تب تک یہ فتنے روپ بدل بدل کر سامنے آتے رہیں گے۔ اس لیے آج کا سب سے بڑا چیلنج صرف ان بندوق برداروں کا خاتمہ نہیں بلکہ اس فکر اور نظریے کی بیخ کنی ہے تاکہ پاکستان کی مقدس سرزمین کو ان احسان فراموشوں اور کرائے کے قاتلوں سے ہمیشہ کے لیے پاک کیا جا سکے۔

ذاتی مفادات کیلئے

مساجد و مدارس کا استحصال

خلافِ شریعت

مساجد سے محبت کا درس دینے کے بجائے نفرت اور بغاوت کا شعلہ اگلنا اور مدرسوں کے پاکیزہ ماحول کو مذہبی جنونیت کی نرسریوں میں تبدیل کرنا دراصل دین کے تقدس کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے۔

علامہ احسان اللہ فاروقی

محراب و منبر اور مساجد و مدارس جن کا قدسی ماحول روحوں کو تڑپا دینے والی قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں سے معطر رہتا تھا، آج کچھ اقتدار کے بھوکے سوداگروں، فتنہ پرور سیاسی عناصر اور دہشت گرد گروہوں کے ہاتھ یرغمال بن چکے ہیں۔ مذہب کے اس ہولناک استحصال کی سب سے دردناک اور لرزہ خیز تصویر فتنہ خوارج اور عصرِ حاضر کی دیگر دہشت گرد تنظیمیں ہیں، جنہوں نے قرآن پاک کی آیات کو ان کے اصل سیاق و سباق سے کاٹ کر

اور شریعت کے احکامات کی من مانی تعبیریں کر کے معصوم اور سادہ لوح جوانوں کے ذہنوں میں تشدد، تفرقے اور اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کے قتل و غارت کا زہر گھولا ہے۔ انہی انتہا پسند گروہوں نے اسلام کے اس عظیم پیغامِ رحمت کو جو عالمِ انسانیت کے لیے سلامتی اور امن کا حامل تھا محض اپنے قبیح سیاسی ایجنڈوں، حکومتوں پر قبضے کی ہوس اور دھڑے بندیوں کو جائز قرار دینے کے لیے بطور ڈھال استعمال کیا۔ مساجد سے محبت کا درس دینے کے بجائے نفرت اور بغاوت کا شعلہ اگلنا اور مدرسوں کے پاکیزہ ماحول کو مذہبی جنونیت کی نرسریوں میں تبدیل کرنا دراصل دین کے تقدس کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے۔ جب مقدس دینی اداروں کو جماعتی مفادات، سیاسی دھرنوں اور فتنہ و فساد کے لیے بروئے کار لایا جاتا ہے تو قوموں کے دلوں سے خدا کا خوف رخصت ہو جاتا ہے اور معاشرہ ایک بھیانک اور کبھی نہ ختم ہونے والے تفرقے کی آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ اگر آج ہم نے اپنی دینی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے ان مدارس کو تمام تر سیاسی مداخلت، انتہا پسندانہ نظریات اور فتنہ انگیز عناصر سے پاک نہ کیا اور انہیں محض مخلصانہ و خالص دینی تعلیم کے سرچشموں کے طور پر محفوظ نہ بنایا تو منبر و محراب کی ہتک کا یہ سلسلہ ہماری قومی بقا کو مٹا کر رکھ دے گا۔ یہ صرف ایک دینی فریضہ نہیں بلکہ ہماری نسلوں کو گمراہی اور تباہی سے بچانے کی آخری اور خونی پکار ہے۔ اسلامی تاریخ اور قرآنی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دینِ حق نے ہمیشہ عبادت گاہوں اور تعلیمی اداروں کی پاکیزگی اور ان کے تقدس کو برقرار رکھنے پر زور دیا ہے۔ قرآن مجید اس ضمن میں مسجد ضرار کا واقعہ بیان کرتا ہے، جسے منافقین نے مسلمانوں کے اتحاد کو پاش پاش کرنے، ان میں تفرقہ پیدا کرنے اور اپنے تخریبی سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے تعمیر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، نبی کریم ﷺ کو سخت اور واضح حکم دیا کہ آپ اس میں کبھی قیام نہ کریں۔ سورۃ التوبہ کی آیات 107 تا 110 میں اس واقعے کی مذمت کرتے ہوئے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ محض ظاہری مذہبی شکل و صورت دینے سے کوئی ادارہ مقدس نہیں بن جاتا بلکہ اس کے پسِ پردہ مقاصد کی پاکیزگی اور اخلاص اصل معیار ہیں۔ آج عصرِ حاضر میں بھی مذہبی مقامات، مساجد اور مدارس کو جماعتی، شخصی اور سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اسی نوعیت کی قرآنی مذمت اور وعید کا مستحق بناتا ہے۔ دینی علم اور منبر و محراب کا منصب ایک عظیم الٰہی امانت ہے، جسے دنیوی عزائم کی بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔

نبی کریم ﷺ نے ایک ایسے عالم اور قاری کے بارے میں سخت خبردار فرمایا ہے جس نے دینی علم اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خشیت کے بجائے دنیاوی شہرت، نام و نمود اور لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لیے حاصل کیا۔ صحیح مسلم (حدیث 1905) کے مطابق ایسا شخص قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جانے والے افراد میں شامل ہوگا۔ جب کوئی علم دین کو یا اپنے مذہبی و علمی مقام و مرتبے کو سیاسی مفادات، اقتدار کی ہوس یا جماعتی غلبے کے لیے استعمال کرتا ہے تو وہ درحقیقت اسی شدید وعید اور الٰہی غضب کو دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید ان بدبخت اور مفاد پرست عناصر کی سخت الفاظ میں مذمت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو معمولی اور فانی دنیاوی قیمت کے عوض فروخت کر دیتے ہیں اور اپنے ناپاک مقاصد کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے سیدھے راستے سے روکتے ہیں۔ سورۃ التوبہ کی آیت 9 اسی المیے کی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ تمام سیاسی و مذہبی عناصر جو محض انتخابی فائدے حاصل کرنے، ووٹرز کی ہمدردیاں سمیٹنے یا عسکریت پسندانہ بھرتیوں کے لیے عوام کے مذہبی جذبات کا استحصال کرتے ہیں، وہ عین اسی مذموم سودے کے مرتکب ہوتے ہیں جسے قرآن کریم نے نفع سے محروم اور انتہائی نقصان دہ معاملہ قرار دیا ہے۔ دینِ اسلام کی روح صرف اور صرف اخلاصِ نیت پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی خالص عبادات کا پابند کیا ہے، جیسا کہ سورۃ البینہ کی آیت 5 میں ارشاد ربانی ہے: ”انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، دین کو اسی کے لیے خالص رکھتے ہوئے۔“ اس محکم قرآنی حکم کی روشنی میں ایسے تمام مدارس، مساجد اور مذہبی ادارے جنہیں جماعتی، سیاسی یا عسکریت پسندانہ ایجنڈوں کے فروغ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، وہ اخلاص کی اس بنیادی اور

بنیادی ترین قرآنی شرط کو بالکل ترک کر دیتے ہیں، جس کے بغیر کوئی بھی دینی عمل بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ علماء کرام کی ذمہ داریوں کے حوالے سے سنن ابی داؤد (حدیث 3641) میں نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی نقل ہے کہ: "علماء انبیاء کے وارث ہیں۔" یہ ایک نہایت مقدس اور وزنی امانت ہے جو علماء اور مذہبی رہنماؤں سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ہر قسم کے جماعتی مفادات، سیاسی وابستگیوں، وقتی فائدوں اور دنیاوی دباؤ سے مکمل طور پر آزاد ہو کر حق کا علم بلند کریں۔ جو علماء اپنے مدارس اور تعلیمی پلیٹ فارمز کو سیاسی جماعتوں کے پروپیگنڈے یا عسکریت پسند گروہوں کا آلہ کار بننے دیتے ہیں، وہ اس عظمت والی نبوی وراثت کے منصب اور اس کے لازمی تقاضوں سے کھلم کھلا انحراف کرتے ہیں۔ پاکستان کے موجودہ حالات اور امن و امان کی نازک صورتحال کے تناظر میں، قومی لائحۂ عمل (National Action Plan) مدارس کی رجسٹریشن اور انہیں قومی دھارے میں شامل کرنے پر خصوصی زور دیتا ہے تاکہ تمام نظام میں شفافیت کو یقینی بنایا جا سکے اور کسی بھی قسم کے عسکریت پسند یا فتنہ پرور عناصر کی دراندازی کو روکا جا سکے۔ یہ حکومتی و قومی اقدام عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔ قرآن مجید سورۃ المائدہ کی آیت 2 میں حکم دیتا ہے: "نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔" لہٰذا مدارس کو جماعتی تسلط، فرقہ وارانہ فساد اور عسکریت پسندی سے محفوظ رکھنے کے لیے ریاستی نظام کے تحت لانا اور ان کی نگرانی کرنا اسی قرآنی اصول کی عملی تعبیر اور قومی فریضہ ہے۔ ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے تاریخِ اسلام کی پہلی مسجد یعنی مسجد قبا کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ، اخلاص اور للّٰہیت پر رکھی تھی اور اسے تمام تر سیاسی مصلحتوں، تفرقہ بازی اور دنیاوی مفادات سے بالکل پاک و صاف رکھا تھا، جیسا کہ سورۃ التوبہ کی آیت 108 میں بیان فرمایا گیا ہے۔ پاکستان کی تمام مساجد اور تمام مدارس کو بھی اسی نبوی سنت کی پیروی کرتے ہوئے صرف اور صرف مخلصانہ عبادت، تلاوت، اور خالص دینی و اخلاقی تعلیم کے مقدس مراکز ہی رہنا چاہیے، نہ کہ انتخابی سرگرمیوں، سیاسی جلسے جلوسوں یا فرقہ وارانہ و عسکریت پسندانہ بھرتیوں کے پلیٹ فارم۔

اسلام دنیا میں امن، سلامتی اور اصلاح کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان لوگوں کی شدید مذمت فرماتا ہے جو زمین کی اصلاح ہو جانے کے بعد اس میں فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت 56 میں صریح حکم ہے: "اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔" جماعتی، سیاسی یا عسکریت پسندانہ فائدے کے حصول کی خاطر دینی اداروں کا ناجائز استعمال کر کے پاکستان کے سماجی اتحاد، امن، سلامتی اور قومی استحکام کو نقصان پہنچانا عین وہی فساد فی الارض ہے جس سے قرآن کریم نے حتمی طور پر منع فرمایا ہے۔ حق اور سچائی کو چھپانا یا اپنے وقتی مفادات کے لیے اس میں تحریف کرنا انتہائی دردناک عذاب کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سنن ابی داؤد (حدیث 3658) میں ارشاد فرمایا: "جس شخص نے ایسا علم چھپایا جس کا بیان کرنا ضروری تھا، اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔" وہ تمام مذہبی رہنما، شیوخ اور اساتذہ جو سیاسی جماعتوں، اقتدار کے بھوکے سیاست دانوں یا عسکریت پسند سرپرستوں کو خوش کرنے کے لیے دینی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور حق بات کو چھپاتے ہیں، وہ درحقیقت خود کو اس شدید الٰہی وعید اور دوزخ کی آگ کا مستحق بناتے ہیں۔ پاکستان کا دائمی استحکام، امن اور روشن مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ ہمارے مدارس اور مساجد بالکل وہی کردار ادا کریں جو رسول اللہ ﷺ نے مسجد قبا کے قیام سے ہم انسانوں کو سکھایا تھا یعنی مکمل اخلاص کے ساتھ رب کی عبادت اور نفع بخش علم کا پھیلاؤ۔ سورۃ النحل کی آیت 128 میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: "بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے اور نیکی کرتے ہیں۔" مساجد و مدارس کے تقدس کو ہر قسم کے سیاسی و جماعتی آلودگیوں سے محفوظ رکھنا ہی ہمارے دین، ایمان اور وطنِ عزیز پاکستان دونوں سے سچی وفاداری کا بنیادی تقاضا ہے، جس پر ہماری قومی اور دینی بقا کا انحصار ہے۔

فکری یگانگت بین المسالک ہم آہنگی اور پیغامِ امن کا تاریخی ایک سال

قومی پیغامِ امن کمیٹی کا سفر محض تقاریر تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے ملک کی اعلیٰ ترین سیاسی و عسکری قیادت کے ساتھ براہِ راست اور نتیجہ خیز پینل نشستوں کے سلسلے کو فروغ دیا۔

آئینِ پاکستان کے بعد پیغامِ پاکستان اس ملک کی سب سے زیادہ متفقہ اور مضبوط ترین قومی دستاویز ہے: قومی پیغامِ امن کمیٹی کا کراچی سے خیبر تک پیغامِ امن

کمیٹی کے قائدین نے ایک سال کے دوران ملک بھر میں مدارس و مساجد اور غیر مسلموں کی عبادگاہوں کے دورے کر کے پاکستان کا ایک روشن، اعتدال پسند اور رواداراتا ثر اجاگر کیا

شاہد اقبال

پاکستان کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی ریاست اور قوم کو نظریاتی، فکری اور امن وامان کے شدید چیلنجز کا سامنا ہوا، اس ملک کے تمام مکاتبِ فکر، دینی وسیاسی قیادت اور ریاستی اداروں نے باہم مل کر شرپسند عناصر کے خلاف ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے کا ثبوت دیا۔ گزشتہ سال ستمبر 2025ء میں وزارتِ اطلاعات ونشریات، حکومت پاکستان کے جاری کردہ ایک اہم اور تاریخی نوٹیفکیشن کے ذریعے"قومی پیغامِ امن کمیٹی" (NPAC) کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اس عظیم الشان اور بابرکت قومی اقدام کو ایک سال مکمل ہو چکا ہے۔ یہ ایک سال محض دنوں اور مہینوں کے گزرنے کی داستان نہیں بلکہ یہ کراچی سے لے کر خیبر، سندھ، بلوچستان اور پنجاب تک پھیلی ہوئی اس جدوجہد کی کہانی ہے جس نے ملک سے انتہا پسندی، تکفیریت، فرقہ واریت اور دہشت گردی کے فکری و عملی تدارک کے لیے ایک نیا روح پرور باب رقم کیا ہے۔ وفاقی وزیرِ اطلاعات ونشریات کی سربراہی میں کام کرنے والی اس کمیٹی میں ملک بھر کے جید علمائے کرام، تمام مسالک و مکاتبِ فکر کے شیوخ، اقلیتی برادریوں کے جلیل القدر رہنما اور اعلیٰ ریاستی وانتظامی حکام شامل ہیں۔ اس مشترکہ گلدستے کا بنیادی مقصد صرف کاغذوں کی حد تک بیانات جاری کرنا نہیں تھا بلکہ ایک ایسے جامع، مربوط اور ٹھوس بیانیے کو گلی گلی، قریہ قریہ پہنچانا تھا جو پاکستان کے آئین اور اسلام کی اصل امن پسند روح سے ہم آہنگ ہو۔ جب ستمبر 2025ء میں اس کمیٹی کا باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری کیا گیا تو اس وقت ملک کو فتنۃ الخوارج، سرحد پار سے جاری ناپاک عزائم اور سوشل میڈیا پر پھیلائے جانے والے

فرقہ وارانہ وریاست مخالف زہریلے پروپیگنڈے کا شدید چیلنج درپیش تھا۔ اس صورتِ حال میں ایک ایسے بااختیار اور تمام مکاتبِ فکر کے لیے قابلِ قبول پلیٹ فارم کی اشد ضرورت تھی جو دینی وسماجی طبقوں کو ایک نقطے پر جمع کر سکے۔ وزارتِ اطلاعات ونشریات کے انٹرنل پبلسٹی ونگ کے ڈائریکٹر جنرل کو اس کمیٹی کا سیکریٹری مقرر کیا گیا جبکہ کمیٹی کا ایک باقاعدہ سیکریٹریٹ قائم کر کے معروف عالم دین حافظ محمد طاہر محمود اشرفی کو کوآرڈینیٹر مقرر کیا گیا۔ کمیٹی کی ساخت ہی اس کی طاقت کا سب سے بڑا مظہر تھی اس میں سینیٹر حافظ عبدالکریم، مفتی عبدالرحیم، علامہ عارف حسین واحدی، پیر نقیب الرحمان، علامہ محمد حسین اکبر، ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی، مولانا طیب پنج پیری اور علامہ ضیاء اللہ شاہ بخاری جیسے جیّد اور معتبر نام شامل کیے گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان کے نظریاتی حلف کے عین مطابق اور بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کے فرمودات کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے بشپ آزاد مارشل، راجیش کمار ہرداسانی اور سردار رمیش سنگھ اروڑہ کو مکمل نمائندگی دی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ چاروں صوبوں اور علاقائی پیغامِ امن کمیٹیوں کے کوآرڈینیٹرز، منظور شدہ مدارس بورڈز کے نمائندگان، وزارتِ داخلہ اور وزارتِ مذہبی امور کے ایڈیشنل سیکریٹریز اور ڈائریکٹر جنرل مذہبی تعلیمات (DGRE) کو اس کا حصہ بنایا گیا تاکہ کوئی بھی دائرہ عمل سے باہر نہ رہے۔ 16 ستمبر 2025ء کو انعقاد پذیر ہونے والے کمیٹی کے پہلے ہی تاریخی اجلاس میں کارروائی کا تفصیلی خاکہ اور کام کرنے کا فریم ورک مرتب کیا گیا۔ اجلاس کا بنیادی حاصل یہ تھا کہ پیغامِ پاکستان کو ملک کا مرکزی قومی بیانیہ بنایا جائے، سماجی ہم آہنگی کا فروغ ممکن بنایا جائے اور حقائق پر مبنی مثبت پیغام رسانی کے ذریعے سلامتی کے ریاستی اقدامات کو فکری ونظریاتی قوت فراہم کی جائے۔ قومی پیغامِ امن کمیٹی کا سفر محض تقاریر تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے ملک کی اعلیٰ ترین سیاسی وعسکری قیادت کے ساتھ براہِ راست اور نتیجہ خیز پینل نشستوں کے سلسلے کو فروغ دیا۔ کمیٹی کے اعلیٰ سطحی وفد نے وزیراعظم پاکستان میاں محمد شہباز شریف سے اہم اور تفصیلی ملاقات کی، اس ملاقات میں اس عزم کا اعادہ کیا گیا کہ پاکستان عالمی سطح پر اسلامی دنیا کی واحد ایٹمی طاقت ہے اور اسی بنیاد پر عالمی سامراج اور دشمن قوتیں اسے کمزور کرنے کے لیے انتہا پسندی، تکفیر اور دہشت گردی کو بطور ہتھیار استعمال کر رہی ہیں۔ علماء کرام نے وزیراعظم کو یقین دہانی کرائی کہ جو عناصر ملک میں فرقہ واریت اور تکفیری سوچ پھیلا رہے ہیں، ان کا نہ تو اسلام سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی پاکستان کی مٹی سے وہ صرف اور صرف دشمن کے آلے کار ہیں۔ 12 اور 13 جنوری کے دوران کمیٹی کی وفاقی وزیرِ اطلاعات اور جی ایچ کیو میں ڈائریکٹر جنرل آئی ایس پی آر سے ہونے والی غیر معمولی ملاقاتوں نے قومی بیانیے کی ترویج میں ایک سنگِ میل کا کردار ادا کیا۔ ڈی جی آئی ایس پی آر کے ساتھ پریس اور سیکورٹی اجلاس میں فتنۃ الخوارج، تحریکِ طالبان پاکستان اور افغان طالبان کی جانب سے ہونے والی پرتشدد کارروائیوں کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی گئی اور اس بات پر کامل اتفاق کیا گیا کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب، قوم یا منطق نہیں ہوتی۔ اس تاریخی ملاقات میں منبر ومحراب کو ریاستی دفاعی پالیسی سے جوڑنے کا فیصلہ ہوا اور اس بات کی منظوری دی گئی کہ ضلعی سطح پر پیغامِ امن کمیٹیوں کے نیٹ ورک کا فوری قیام عمل میں لایا جائے، دینی مدارس کے نصاب اور خطباتِ جمعہ میں پیغامِ پاکستان کے انسانیت سوز تشدد مخالف نکات شامل کیے جائیں، سوشل میڈیا پر ریاست مخالف اور فرقہ وارانہ بیانیے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک خصوصی ڈیجیٹل ڈیسک اور ٹاسک فورس فعال کی جائے اور کشمیر وغزہ کے مظلوموں کی حمایت پر پاکستان کے اصولی اخلاقی وسفارتی موقف کی توثیق کی جائے اور ملک بھر کی مساجد و جامعات میں آگاہی نشستیں بڑھائی جائیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والے صوبے خیبر پختونخوا کے لیے کمیٹی کی حساسیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 14 جنوری کو کمیٹی نے پشاور کا پہلا باضابطہ اور تاریخی دورہ کیا۔ گورنر ہاؤس پشاور میں گورنر فیصل کریم کنڈی سے ملاقات کے دوران علمائے کرام نے مشترکہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ آئینِ پاکستان کے بعد پیغامِ پاکستان اس ملک کی سب سے زیادہ متفقہ اور مضبوط ترین قومی دستاویز ہے۔ گورنر اور کمیٹی ارکان نے افغانستان کی سرزمین کو پاکستان کے خلاف دہشت گردی کے لیے استعمال ہونے پر شدید تشویش کا اظہار کیا اور اس عزم کا اعادہ کیا کہ علماء اور تمام مکاتبِ فکر ہر

مشکل گھڑی میں سیکیورٹی اداروں کے ساتھ کلاشنکوف کے مقابلے میں علم اور قلم کا پرچم اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس دورے کا ایک اہم ترین پہلو کور کمانڈر پشاور سے ملاقات تھی، جس میں خوارج کے افکار کو نظریاتی وفکری سطح پر مکمل شکست دینے، دہشت گردوں کی داخلی سہولت کاری کے تمام رستے بند کرنے اور سکولوں و جامعات کے نصاب کو اعتدال پسندی کے سانچے میں ڈھالنے پر اتفاقِ رائے قائم ہوا۔

قومی پیغامِ امن کمیٹی نے اپنی کارروائیوں کو صرف وفاق یا ایک صوبے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے فکری قافلے نے سندھ اور بلوچستان کا تعمیری رخ بھی کیا۔ سندھ میں صوفیانہ رواداری کے فروغ کے لیے حافظ محمد طاہر محمود اشرفی کی قیادت میں اعلیٰ سطحی وفد نے کراچی میں وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ سے ملاقات کی۔ اس نشست میں صوبائی وزراء شرجیل انعام میمن، سعید غنی، ریاض شاہ شیرازی، ضیاء الحسن

لنجار اور تمام انتظامی سربراہان موجود تھے۔ وفد میں علمائے کرام کے ساتھ ساتھ پنڈت مہاراج گوسوامی گیر اور سردار رمیش سنگھ جیسے اقلیتی رہنماؤں کی موجودگی اس بات کا عملی ثبوت تھی کہ سندھ کی صوفیانہ دھرتی پر ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی برادری کو اپنے تہوار منانے اور بلاخوف و خطر زندگی بسر کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے کمیٹی کی خدمات کو سراہتے ہوئے صوبائی پیغامِ امن کمیٹی کو سندھ حکومت کے ہر شعبے سے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ اسی دورے کے دوران کمیٹی کے وفد نے کراچی میں واقع بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی درسگاہ جامعۃ الرشید اور الغزالی یونیورسٹی کا بھی دورہ کیا۔ اس میں شیعہ علماء کونسل کے علامہ سید اسد اقبال زیدی، مولانا محمد حسین اکبر اور مختلف مسالک کے جید علمائے کرام نے شرکت کی۔ نشست کا حاصل یہ تھا کہ علمی وفکری اختلاف کی موجودگی کے باوجود مکالمے کا در کھلا رکھنا ہی پاکستان کے پائیدار امن کی ضمانت ہے۔ جامعۃ الرشید میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا کر کے اتحاد و یگانگت کا عملی مظاہرہ کیا

جسے پورے ملک میں سراہا گیا۔ بلوچستان میں امن و امان کی نازک صورتحال کے تناظر میں کمیٹی نے وزیر اعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی کے اس موقف کا مکمل ساتھ دیا جس میں سیکیورٹی فورسز کی جانب سے آواران اور دیگر علاقوں میں آپریشن ردّ الفتنہ 3 کے تحت خوارج اور ملک دشمن عناصر کے خلاف کامیاب کارروائیوں کی تحسین کی گئی تھی۔ کمیٹی نے بلوچستان کے غیور اور حب الوطن عوام کو خراجِ تحسین پیش کیا جو دہائیوں سے انتہا پسندوں کے عزائم کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات اور آئینِ پاکستان کی روشنی میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق اور ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ کمیٹی کے بنیادی ہدف کا حصہ رہا ہے۔ اسی سلسلے میں حافظ طاہر محمود اشرفی اور مفتی عبدالرحیم کی قیادت میں وفد نے پشاور کے تاریخی سینٹ جانز چرچ کا دورہ کیا۔ چرچ انتظامیہ اور عیسائی کمیونٹی کے ساتھ ملاقات کے دوران علمائے کرام نے واگزار الفاظ میں کہا کہ اسلام کسی پر جبر یا زبردستی اپنا نظریہ مسلط کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اقلیتوں کی عبادات اور ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ مسلمانوں پر مذہبی اور قانونی فرض ہے۔ چرچ کے اس دورے نے دنیا بھر میں پاکستان کا ایک روشن، اعتدال پسند اور روادار تاثر اجاگر کیا۔ سوشل میڈیا اور عوامی سطح پر مشترکہ پیغامات کو عام کرنے کے لیے کمیٹی نے مختلف دینی تنظیموں اور مدارس بورڈز کے ساتھ مل کر بڑے پیمانے پر کانفرنسز کا انعقاد کیا۔ ایسی ہی ایک عظیم الشان تقریب "معرکۂ حق بنیان مرصوص کانفرنس" تھی جو قومی پیغامِ امن کمیٹی اور نظام المدارس پاکستان کے مشترکہ اہتمام سے منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں پاکستان بھر سے تمام مکاتبِ فکر کے اکابرین، مفتیانِ کرام اور مشائخ نے شرکت کی۔ کمیٹی کے کارناموں میں ایک سب سے بڑا تعمیری کارنامہ محرم الحرام کے موقع پر امن و امان قائم رکھنے کے لیے "پیغامِ پاکستان ضابطۂ اخلاق" کی متفقہ تدوین اور توثیق ہے۔ اس ضابطۂ اخلاق کے تحت انبیائے کرام، صحابہ کرام، خلفائے راشدین، امہات المؤمنین اور اہلِ

بیتِ اطہار کی توہین، تنقیص یا ان کی تکفیر کرنے والے کسی فرد یا گروہ سے تمام مکاتبِ فکر نے مکمل لاتعلقی کا اظہار کیا اور ان کے خلاف فوری سخت قانونی کارروائی کا مطالبہ کیا۔ ضابطہ اخلاق میں واضح کیا گیا کہ اگرچہ دینی علماء کو اپنے نظریات بیان کرنے کا حق حاصل ہے لیکن کسی دوسرے مسلک کے پیروکار یا شہری کو کافر قرار دینے کا اختیار کسی ملا، فقیہ یا تنظیم کو حاصل نہیں یہ صرف اور صرف ملکی آئین اور اسلامی اصولوں کے تحت ریاست کی عدلیہ کے پاس ہے۔ طاقت کے زور پر اپنے عقائد مسلط کرنا، پرتشدد اقدامات، مسلح تصادم اور فرقہ وارانہ نفرت کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فساد فی الارض اور قومی جرم قرار دیا گیا۔ محرم وصفر کے دوران مجالس، جلوس اور مذہبی اجتماعات کے آئینی حق کی توثیق کی گئی اور غیر مسلم شہریوں کے جان، مال اور عبادات کے تحفظ کو ریاست کا اولین فریضہ گردانا گیا۔ الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا پر زور دیا گیا کہ وہ اشتعال انگیز مواد اور نفرت پھیلانے والے مقررین اور ذاکرین کا مکمل بائیکاٹ کریں اور مثبت بیانیے کو فروغ دیں۔

قومی پیغامِ امن کمیٹی کے اس پہلے کامیاب سال کا احاطہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کمیٹی نے کاغذوں سے نکل کر حقیقی میدان میں اثرات مرتب کیے ہیں۔ پیغامِ پاکستان کو آئین کے بعد سب سے متفقہ قومی فکری دستاویز کے طور پر تسلیم کرایا گیا، جی ایچ کیو، ڈی جی آئی ایس پی آر اور وفاقی وزیرِ اطلاعات کے ساتھ مل کر خوارج کے خلاف زیرو ٹالرنس پر اتفاق قائم کیا گیا، خیبر پختونخوا، سندھ، اور بلوچستان کے گورنرز، وزرائے اعلیٰ اور انتظامیہ سے براہِ راست تال میل مکمل ہوا، مساجد و مدارس کے ساتھ ساتھ پشاور کے سینٹ جانز چرچ اور اقلیتی رہنماؤں کی شمولیت سے بین المذاہب مکالمے کی شروعات کی گئیں اور ''پیغامِ پاکستان ضابطۂ اخلاق'' کا اعلان کیا گیا جس نے تکفیریت اور توہینِ مقدسات کا راستہ روکنے میں اہم کردار ادا کیا۔ کمیٹی کا اب تک کا سفر پائیدار امن کی بنیاد رکھ چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب دشمن ہماری نظریاتی سرحدوں پر حملے کر رہا ہے اور نوجوانوں کو سوشل میڈیا کے ذریعے گمراہ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، قومی پیغامِ امن کمیٹی ایک مضبوط ڈھال ثابت ہوئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کمیٹی کے اس ایک سالہ تعمیری کام کی سرپرستی کو جاری رکھا جائے، ضلعی اور تحصیل سطح پر کمیٹیوں کے توسیعی پروگرامز کو جلد از جلد مکمل کیا جائے، اور اس فکری روشن خیالی کے پیغام کو ہر گھر تک پہنچایا جائے۔ تمام مسالک، اقلیتوں، ریاستی اداروں اور علمائے کرام کا یہی اتحاد پاکستان کے تابناک، پرامن اور ناقابلِ تسخیر مستقبل کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

مدارس کے بینک اکاؤنٹس سے متعلق دیرینہ مسئلے کے حل میں اہم پیش رفت

ڈائریکٹر جنرل مذہبی تعلیم کی صدارت میں منعقدہ تاریخی اجلاس میں دینی تعلیمی بورڈز اور مدارس کی قیادت کے ساتھ سٹیٹ بینک، کمرشل بینکوں کے نمائندوں نے شرکت کی

عسکری اور سیاسی قیادت کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے مدارس کیلئے برسوں سے حائل ایک بہت بڑی انتظامی اور مالیاتی رکاوٹ دور ہونے کی راہ ہموار ہوئی ہے: علماء ومشائخ

فیض الحسن ربانی

دینی مدارس اور ریاستی اداروں کے مابین تعلق، رجسٹریشن کے پیچیدہ مسائل اور بینک اکاؤنٹس کی بندش جیسے دیرینہ چیلنجز پاکستان کے دینی، تعلیمی اور سماجی منظر نامے کا ایک انتہائی حساس اور اہم پہلو رہے ہیں۔ پاکستان کے دینی مدارس محض ایک تعلیمی نظام کا نام نہیں بلکہ یہ ہماری اسلامی اقدار، اخلاقی پاسداری، فکری حدود کے تحفظ اور قومی یکجہتی کے مضبوط ترین ستون ہیں۔ کسی بھی بڑے ریاستی مالی تعاون کے بغیر لاکھوں طلبہ وطالبات کو بلا معاوضہ دینی واخلاقی تعلیم، رہائش اور کفالت فراہم کرنے والے یہ ادارے دہائیوں سے خاموش خدمت کی ایک اعلیٰ ترین مثال قائم کیے ہوئے ہیں۔ قرآن وسنت کی تعلیمات کا فروغ ہو یا محراب ومنبر کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا عمل ان اداروں کا قومی تعمیر وترقی اور معاشرتی استحکام میں کردار ناقابلِ تردید ہے تاہم اس تمام تر مثبت اور جلیل القدر کردار کے باوجود طویل عرصے سے قانونی اور انتظامی رکاوٹوں بالخصوص رجسٹریشن اور بینک اکاؤنٹس کے عدم اجرا کی وجہ سے ان اداروں اور ریاستی مشینری کے درمیان بے اعتمادی اور فاصلوں کی ایک ناخوشگوار فضا قائم رہی جس کا مستقل حل ڈھونڈنا وقت کی اشد ضرورت تھا۔ گزشتہ دنوں ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی تعلیم (DGRE) وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت حکومتِ پاکستان کے زیرِ اہتمام اسلام آباد میں منعقد ہونے والا اعلیٰ سطحی اجلاس اس دیرینہ بحران کے خاتمے اور ریاست و مدارس کے تعلقات میں ایک نئے دور کا آغاز ثابت ہوا ہے۔ اجلاس میں شریک اہم دینی قائدین حافظ طاہر محمود اشرفی چیئرمین پاکستان علماء کونسل ومشیر وزیراعظم پاکستان برائے مشرق وسطیٰ امور، علامہ ڈاکٹر میر محمد آصف اکبر قادری ناظمِ اعلیٰ نظام المدارس پاکستان وترجمان متحدہ علماء کونسل، مفتی محمد زبیر فہیم صدر اتحاد المدارس العربیہ پاکستان، علامہ مفتی شیخ عبداللطیف صدر بورڈ آف اسلامک ایجوکیشن، علامہ مفتی محمد یوسف کشمیری صدر اتحاد المدارس الاسلامیہ کراچی۔ علامہ توقیر عباس نائب صدر مجمع المدارس تعلیم الکتاب والحکمہ ، علامہ انجینئر محمد عثمان یوسف کوآرڈینیٹر مجمع العلوم

الاسلامیہ، جامعہ الرشید کراچی، ڈاکٹر شمس الرحمان شمس مرکزی نائب صدر وفاق المدارس السّلفیہ، علامہ حافظ محمد طیب طاہری صدر وحدت المدارس الاسلامیہ پاکستان، علامہ جنید اکبر نمائندہ جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن، علامہ صاحبزادہ نفیس القادری نمائندہ نظام المدارس پاکستان، سید راویل تاج نمائندہ دینی بورڈز شامل تھے۔ ڈائریکٹر جنرل مذہبی تعلیم میجر جنرل (ر) ڈاکٹر غلام قمر کی صدارت میں ہونے والے اس تاریخی اجلاس میں دینی تعلیمی بورڈز اور مدارس کی قیادت کے ساتھ سٹیٹ بینک، کمرشل بینکوں اور متعلقہ حکومتی اداروں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس اجلاس کی سب سے بڑی کامیابی یہ رہی کہ دہائیوں پر محیط انتظامی اور قانونی گتھیوں کو پرتشدد تصادم یا الزامات کی بجائے باہمی اعتماد، سنجیدہ مذاکرات اور باہمی افہام و تفہیم کی بنیاد پر سلجھانے کا فہم حاصل کیا گیا۔ تفصیلی غور و خوض کے بعد طے پایا کہ قانونی و انتظامی تقاضے پورے ہونے پر پہلے مرحلے میں اسلام آباد کے مدارس کے بینک اکاؤنٹس فوری طور پر کھولے جائیں گے جبکہ دیگر تمام صوبوں اور علاقوں میں درپیش عملی و قانونی رکاوٹوں کو بھی باہمی تعاون سے تیزی کے ساتھ دور کیا جائے گا۔ مدارس دینیہ کے اس دیرینہ اور پیچیدہ مسئلے کے حل کی جانب ہونے والی یہ بے مثال پیش رفت اتفاقیہ نہیں بلکہ اعلیٰ ترین قومی و عسکری سطح پر کی جانے والی مسلسل اور مخلصانہ کاوشوں کا ثمر ہے۔ اجلاس کے تمام شرکاء اور دینی قائدین نے اس پیش رفت پر وزیر اعظم پاکستان میاں محمد شہباز شریف کی بصیرت افروز ہدایات اور فیلڈ مارشل سید عاصم منیر کی خصوصی دلچسپی، ذاتی توجہ اور فعال رہنمائی کا خصوصی اور دلی شکریہ ادا کیا۔ مذہبی قیادت نے اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کیا کہ عسکری اور سیاسی قیادت کی ذاتی دلچسپی اور قومی اداروں کی مثبت پیش رفت کی وجہ سے مدارس کے لیے برسوں سے حائل ایک بہت بڑی انتظامی اور مالیاتی رکاوٹ دور ہونے کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ جب ریاست کے بنیاد اور دینی ادارے مشترکہ قومی مفاد کی خاطر ایک پیج پر آتے ہیں تو سالہا سال پرانے لٹکتے ہوئے قانونی و انتظامی پیچیدہ مسائل بھی خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو جاتے ہیں۔ مدارس کی رجسٹریشن اور ان کے قانونی و مالیاتی وجود کو باوقار طریقے سے تسلیم کرنا دراصل ان کی ان خدمات کی بھرپور پذیرائی ہے جو یہ ادارے دورِ حاضر میں سرانجام دے رہے ہیں۔ آج کا مدرسہ ماضی کے روایتی سانچے سے نکل کر جدید عصری علوم، ٹیکنیکل تعلیم، IT اور جدید ہنر مندی کی طرف تیزی سے گامزن ہے۔ مختلف تعلیمی بورڈز کے امتحانات میں دینی مدارس کے طلبہ و طالبات کا اعلیٰ ترین پوزیشنیں حاصل کرنا اس مروجہ اور غلط بیانیے کی مکمل نفی کرتا ہے کہ دینی تعلیم اور جدید سائنسی و عصری علوم ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہماری نئی نسل قرآن و سنت کے علم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ جدید تکنیکی صلاحیتوں سے لیس ہوگی تو ملک کو ایک متوازن، باکردار اور باصلاحیت قیادت میسر آئے گی۔ اس ضمن میں DGRE کی جانب سے مدارس کے طلبہ کو جدید علوم اور فنی کورسز کے مواقع فراہم کرنے کا اقدام نہ صرف تاریخی اہمیت کا حامل ہے بلکہ ان طلبہ کو قومی ترقی کے مرکزی دھارے میں شامل کرنے کا سنہری ذریعہ بھی ہے۔ تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ پاکستان کے مدارس اور علماء نے بین المسالک اور بین المذاہب ہم آہنگی، مذہبی رواداری اور قومی یکجہتی کے فروغ میں ہمیشہ ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ انتہا پسندی، دہشت گردی اور فرقہ وارانہ نفرت کے خلاف محراب و منبر سے اٹھنے والی آوازوں اور قومی پیغامِ امن کمیٹی کے پلیٹ فارم سے کیے جانے والے مشترکہ اقدامات نے ملک کے امن و استحکام کو قائم رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس تناظر میں ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی تعلیم (DGRE) کا قیام ریاستی پالیسی کا ایک تاریخی موڑ ہے، جس نے پہلی بار قومی سطح پر مدارس کو ایک ایسا پائیدار اور باوقار پلیٹ فارم فراہم کیا ہے جہاں وہ اپنے مسائل براہِ راست ریاست کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اس ادارے نے نہ صرف ریاست اور دینی طبقات کے مابین اعتماد سازی کے رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا ہے بلکہ باہمی فاصلوں کو سمیٹ کر ایک روشن اور پرامن پاکستان کی بنیاد بھی رکھی ہے۔

وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ اسلام آباد کیپیٹل ٹیریٹری میں ہونے والی اس کامیاب اور تاریخی پیش رفت کو صرف وفاقی دارالحکومت تک ہی محدود نہ رکھا جائے، بلکہ اس کا دائرہ کار بلا تاخیر تمام صوبوں بالخصوص پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان تک وسیع کیا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صوبائی سطح پر درپیش قانونی، انتظامی اور آئینی رکاوٹوں کو فوری طور پر ضروری قانون سازی اور باہمی مشاورت کے ذریعے دور کیا جائے تاکہ پورے ملک میں مدارس کی رجسٹریشن اور ان کے بینک اکاؤنٹس کا مسئلہ ایک ہی بار میں یکساں، شفاف اور پائیدار بنیادوں پر حل ہو سکے۔ ریاستی اداروں، متحدہ مدارس کونسل اور قومی پیغامِ امن کمیٹی کے مابین باہمی اعتماد، تعاون اور مشاورت کا یہ مثبت اور تعمیراتی سلسلہ آئندہ بھی جاری رہنا چاہیے۔ ریاست اور دینی اداروں کا یہ مضبوط اتحاد نہ صرف محراب و منبر کے وقار کو بلند کرے گا بلکہ پاکستان کے تعلیمی، سماجی اور قومی مستقبل کو محفوظ، مستحکم اور تابناک بنانے میں ایک لازوال سنگِ میل ثابت ہوگا۔

ہر شہری دستوری و آئینی میثاق کا پابند
پیغام پاکستان متفقہ فتویٰ

دینی نقطۂ نظر سے یہ بات بالکل واضح اور حتمی ہے کہ ملکی و قومی مفادات کا تحفظ اور وطنِ عزیز سے محبت ہر مسلمان پر بہر صورت اولیں ترجیح کے طور پر فرض ہے

اس قومی و اسلامی سلامتی پر کسی بھی عنوان سے آنچ آنے دینا یا ملکی مفادات کو نظر انداز کرنا اسلامی تعلیمات کی رو سے شدید عہد شکنی و غدر کے زمرے میں آتا ہے

اسلم خان وزیر

پیغامِ پاکستان کی متفقہ اور تاریخی دستاویز دراصل اس فکری اور شرعی عزم کا باضابطہ اعلان ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ہر شہری اپنے دستوری و آئینی میثاق کا پابند ہے۔ دینی نقطۂ نظر سے یہ بات بالکل واضح اور حتمی ہے کہ ملکی و قومی مفادات کا تحفظ اور وطنِ عزیز سے محبت کا پاس رکھنا ہر مسلمان پر بہر صورت اولیں ترجیح کے طور پر فرض ہے۔ اس قومی و اسلامی سلامتی پر کسی بھی عنوان سے آنچ آنے دینا یا ملکی مفادات کو نظر انداز کرنا اسلامی تعلیمات کی رو سے نہ صرف شدید عہد شکنی اور غدر کے زمرے میں آتا ہے بلکہ دینی نگاہ میں یہ ایک نہایت سنگین جرم اور لائقِ تعزیر عمل ہے۔ اسلام کا بنیادی اور مسلمہ اصول یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کردہ احکام کا علی الاطلاق انکار کرے اور انہیں مسترد کر دے وہی بالاجماع دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص توحید و رسالت، آخرت اور تمام ضروریاتِ دین کا اقرار کرتا ہو لیکن اپنی بشری کمزوری، غفلت یا عمل کی کمی کے باعث گناہ یا کوتاہی کا مرتکب ہو جائے، اسے ہرگز کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پاکستان کے مسلم حکمران، افواجِ پاکستان کی قیادت اور تمام سیکیورٹی ادارے یقیناً توحید و رسالت، قرآنی احکامات اور تمام ضروریاتِ دین پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اس بنا پر انہیں بشری کوتاہیوں کا بہانہ بنا کر العیاذ باللہ کافر ٹھہرانا اور ان کے خلاف مسلح جدوجہد کو جہاد کا نام دینا درحقیقت جہاد نہیں بلکہ فساد فی الارض، سرکشی اور نری بغاوت ہے۔ تاریخِ اسلام پر نظر ڈالی جائے تو یہ خونی اور گمراہ کن فکر کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے عہدِ خلافت میں بھی خوارج نے اسی طرح کی متشددانہ منطق اور خود ساختہ تکفیری نظریات کا سہارا لے کر ریاست اور مسلمانوں کی جان و مال پر ڈاکے ڈالے تھے۔ موجودہ دور کے دہشت گرد اور تخریب کار گروہ بعینہٖ اسی خارجی ذہنیت کا مسلسل تسلسل ہیں، یہی وجہ ہے کہ حرمین طیبین کے جید ائمہ کرام، مکہ و مدینہ کے سرکردہ علماء اور دنیا بھر کے مسلم مکاتبِ فکر نے متفقہ طور پر ایسے افراد اور تنظیموں کو دورِ حاضر کے تکفیری اور خارجی قرار دیا ہے۔ قرآنِ کریم کی واضح نص کے مطابق پرامن ریاست، افواج اور عام المسلمین کے خلاف اس قسم کی سفاکانہ دہشت گردی اور خون ریزی دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیاتِ مبارکہ میں زمین میں فساد پھیلانے والوں، پرامن شہریوں کا خون بہانے والوں اور ریاست کو کمزور کرنے والوں کے لیے سخت ترین سزاؤں کا تعین کیا گیا ہے تاکہ معاشرے کو امن و امان کا گہوارہ بنایا جا سکے، اور اس کی دوسری صورت ایسے شرپسندوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے قید و بند میں ڈالنا بھی شامل ہے۔ اسی طرح سورۃ الحجرات میں صریح حکم موجود ہے کہ سرکشی اور بغاوت کرنے والے گروہ کے خلاف اس وقت تک قتال جاری رکھا جائے جب تک وہ اللہ اور اس کے قانون کی طرف رجوع نہ کر لے۔ لہٰذا ہر صاحبِ ایمان پاکستانی شہری پر یہ شرعی، اخلاقی اور قومی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ دہشت گردی کے اس ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اپنی افواج، سیکیورٹی اداروں اور حکومتِ وقت کا مکمل اور بھرپور ساتھ دے۔ مملکت میں نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نفاذِ شریعت کے لیے کوشش کرنا بلاشبہ ہر مسلمان کا بنیادی حق اور دینی آرزو ہے لیکن اس مقصد کا حصول صرف اور صرف آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے پرامن جدوجہد کے ذریعے ہی ممکن اور جائز ہے۔ اسلام میں مقصد کی پائیداری کے ساتھ ساتھ ذریعہ اور راستے کا درست ہونا بھی لازمی ہے لہٰذا تشدد، تفرقہ اور گولی کی بجائے آئینی، قانونی اور پرامن ذرائع سے اصلاح کی کوشش کرنا ہی اصل حکمتِ عملی اور حقیقی حب الوطنی کا تقاضا ہے۔

حکمران کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا

اسلام میں جہاد کوئی انفرادی، جذباتی یا کسی غیر ریاستی گروہ کا کاوشانہ اقدام نہیں بلکہ یہ ایک عظیم اجتماعی فریضہ اور ریاستی پالیسی کا حصہ ہے

اسلامی شریعت میں جنگ اور امن کا اختیار انفرادی شخصیات یا گروہوں کے بجائے صرف اور صرف ریاستی نظم کو سونپا گیا ہے

جو شخص اپنے حاکم یا امام کی نافرمانی کر کے خودساختہ جہاد و قتال کرتا ہے شریعت میں اسکے اس عمل کو فساد فی الارض قرار دیا گیا ہے

مفتی نوراللہ فاروقی

ریاست اور حکمران کی اجازت کے بغیر جہاد کے عدمِ جواز کا مسئلہ اسلامی شریعت اور سیاسی حکمتِ عملی کا ایک نہایت اہم اور بنیادی موضوع ہے۔ پاکستان میں گزشتہ تین دہائیوں سے ایک ایسی خطرناک اور غیر متوقع ریت چل نکلی ہے کہ کوئی بھی شخص جس کو خوبصورت، دلآویز اور سحر انگیز گفتگو کا سلیقہ آتا ہو، چرب زبان اور شعبدہ باز ہو، وہ چند جذباتی اور سادہ لوح لوگوں کو اپنے گرد جمع کرتا ہے، ایک جداگانہ تنظیم کی بنیاد رکھتا ہے اور از خود جہاد فرض ہونے کا اعلان کر دیتا ہے۔ یہ سلسلہ جب شروع ہوا تھا تب ریاست کی مجبوری کہیں، وقت کی ضرورت کہیں یا جیو پولیٹیکل حالات کی ناگزیریت کا نام دیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ سب ریاست کی چھتری تلے ہی شروع ہوا تھا۔ حکومت نے اس مقصد کے لیے باقاعدہ معسکر بنانے کی اجازت دی، وہاں تربیت حاصل کرنے والوں کو ہر قسم کا اسلحہ و وسائل فراہم کیے اور ملکی سرحدیں ان کے لیے کھول دیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ اس کاز اور نظریے سے وابستہ ہماری مختلف مذہبی و عسکری تنظیموں اور اداروں نے بہت کم ہی اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اپنے کارکنوں کو پورا سچ بتائیں اور انہیں اس امر کا باور کروائیں کہ یہ تمام سرگرمیاں ریاست کی باقاعدہ اجازت، خفیہ حمایت اور در پردہ مدد و سرپرستی سے ہی ممکن ہو رہی ہیں۔ ریاست کے اپنے مسائل اور بین الاقوامی سفارتی و سیاسی دباؤ شاید اتنے زیادہ تھے کہ وہ کھلے عام اس چیز کو اون (Own) نہ کر سکی اور نہ ہی برملا اس کا قومی سطح پر اعلان کر سکی لیکن وقت کی گرد جب چھٹی اور حقائق

سامنے آئے تو پتہ چلا کہ ایک ایسی پوری جنریشن تیار ہو چکی ہے جو ریاست اور اس کے نظم وضبط کی اجازت کے بغیر بھی جہاد کی مشروعیت اور جواز کی قائل ہے۔ آج ایسے بے شمار افراد معاشرے میں موجود ہیں جو یہ بات ماننے کو ہی تیار نہیں کہ پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت سے باقاعدہ شرعی اور قانونی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، ورنہ ان کا یہ نام نہاد جہاد، جہادِ اسلامی کے بجائے محض فساد فی الارض اور انارکی بن کر رہ جائے گا۔ اس رویے کے نتیجے میں بہت سے لوگ خود اس ریاست اور اس کے آئین کو اسلامی ماننے سے ہی انکاری ہو چکے ہیں۔ اس پیچیدہ موضوع سے جڑے دیگر کئی فکری و سیاسی سوالات بھی ہیں لیکن اس قضیے کا بنیادی سوال یہی ہے کہ کیا شرعی نقطہ نظر سے جہاد، ریاست اور حکمران کی اجازت کے بغیر ممکن ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت، آثارِ صحابہ اور آئمہ اسلاف کے دلائل کا عمیق مطالعہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں کرتا ہے کہ جہاد کے انعقاد اور اس کو برپا کرنے کے لیے امیر، امام یا نظمِ مملکت کا ہونا شرعاً بالکل ناگزیر ہے، اور جہاد ہمیشہ امام وامیر کی منظم سربراہی میں ہی لڑا جائے گا۔ امیر اور ریاست کی مرکزی قیادت ہی اس بات کا حتمی فیصلہ کرے گی کہ کب جنگ لڑنی ہے، کس کے خلاف اور کہاں حملہ کرنا ہے، کب جنگ سے رک جانا ہے اور کب پیش قدمی کرنی ہے۔ اسلامی شریعت میں جنگ اور امن کا اختیار انفرادی گروہوں کے بجائے صرف اور صرف ریاستی نظم کو سونپا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا صریح اور حتمی حکم ہے کہ اللہ، اس کے رسول اور اپنے صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر یعنی حاکم ہیں۔ (النساء: 59)

اس آیتِ مبارکہ سے قطعی طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ اجتماعیت اور اجتماعی امور بالخصوص جنگ جیسے حساس معاملے میں اپنے امیر اور ریاست کی اطاعت فرض ہے۔ سورہ نور کے مطالعہ سے یہ بات مزید واضح اور آشکار ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب تک آپ سے باقاعدہ اجازت حاصل نہ کر لیتے، وہ جہاد، جنگ، دفاع یا جماعت جیسے کسی بھی اہم اور اجتماعی کام کو سرانجام دینے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر پختہ ایمان لائے ہیں اور جب وہ آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں موجود ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں، کہیں نہیں جاتے۔ (النور: 62)

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ اجتماعی فیصلے انفرادی یا متوازی سطح پر نہیں بلکہ مرکز اور حاکم کی اجازت سے مشروط ہیں۔ امن اور خوف کی تمام صورتوں میں امیر، امام یا خلیفہِ وقت کی سٹریٹجک اہمیت اور مرکزی حیثیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ یہ وہ نازک ترین مرحلہ ہوتا ہے جہاں ایک عام فرد یا غیر ذمہ دار تنظیم کی ذراسی جذباتی غلطی یا غلط قدم پوری قوم، ملک اور امت کو عظیم تباہی، خونریزی اور سفارتی تنہائی سے دوچار کر سکتا ہے۔ اسی لیے اس قسم کی حساس صورتحال میں اپنی رائے پر عمل کرنے کے بجائے امیر اور نظمِ مملکت کی بات ماننے اور معاملہ ان کی طرف لوٹانے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو وہ اسے فوراً پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی طرف لوٹاتے تو ان میں سے جو اس کی حقیقت کا استنباط اور گہرائی سے تجزیہ کرتے ہیں وہ اسے اچھی طرح جان لیتے۔ (النساء: 83)

امیر جب جہاد اور دفاع کے لیے پکارے تو صرف اسی وقت اس حکم پر لبیک کہنا اور نکلنا شرعی طور پر واجب ہوتا ہے۔ اس بات پر قرآن مجید میں ان لوگوں کو سخت تنبیہ اور ملامت فرمائی گئی ہے جو حاکم کے بلانے پر سستی دکھاتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکل کھڑے ہو تو تم زمین سے لگے جاتے ہو؟۔ (التوبۃ: 38)

اس آیت کے سیاق وسباق سے بھی یہ نکتہ بالکل واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ وہ صرف حاکمِ وقت، امام یا ریاست ہی کا ادارہ ہے جو جہاد اور نبرد آزمائی کے لیے قوم کو پکارے گا۔ ریاست کے متعین کردہ مجاز نمائندے کے علاوہ کسی بھی عام شہری، عالم، یا تنظیم کو اپنی ذاتی یا گروہی حیثیت میں یہ حق بالکل حاصل نہیں کہ وہ اپنے طور پر جنگ اور جہاد کا اعلان کرے۔

احادیثِ نبویہ میں بھی اس معاملے کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی متفق علیہ حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح ترین الفاظ میں فرمایا ہے کہ جہاد و قتال صرف اور صرف امام کی سرپرستی اور اس کی ڈھال کے پیچھے ہوگا۔ امام چاہے عادل ہو یا فاسق وفاجر، جنگی فیصلے اور جہاد کی سرپرستی اسی کا حق رہے

گی۔ کسی بھی فرد یا ملیشیا کو انفرادی طور پر اس بات کی مطلق اجازت نہیں ہوگی کہ وہ خود سے جنگ شروع کرے یا ختم کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور بے شک امام (حکمران) تو ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے ہو کر جنگ کی جاتی ہے اور اسی کے ذریعے بچاؤ حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ کے تقویٰ اور عدل کا حکم دے تو اس کے لیے اجر ہے اور اگر وہ اس کے علاوہ حکم دے تو اس کا وبال اسی پر ہے۔ صحیح البخاری 2957)

فقہ اسلامی کی ایک بہت معروف اور اہم بنیادی اصطلاح "نفیرِ عام" ہے۔ اس کا سادہ اور شرعی مطلب یہ ہے کہ جب وقت کا امیر، امام یا ریاست کا اعلیٰ ترین عسکری و سیاسی ادارہ یہ رسمی اعلان کر دے کہ اب ملک کے تمام شہریوں یا مخصوص طبقوں کو دفاعی جنگ کے لیے نکلنا ہوگا، تو پھر ہر شخص پر جہاد کے لیے روانہ ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ نفیرِ عام کا یہ رسمی اعلان ہونے سے پہلے جنگ و جہاد کا فریضہ صرف ریاست کی پیشہ ورانہ مسلح افواج کے لیے ضروری ہوتا ہے اور اس وقت تک جہاد کی شرعی حیثیت "فرضِ کفایہ" کی ہوتی ہے (یعنی اگر فوج دفاع کر رہی ہے تو عام شہریوں پر نکلنا فرض نہیں) لیکن جب حاکم کی طرف سے نفیرِ عام کا باقاعدہ اعلان ہو جائے تو جہاد تمام شہریوں پر فرضِ عین بن جاتا ہے۔ اب یہاں بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفیرِ عام کا یہ حساس اعلان کرنے کا اختیار کس کے پاس ہے؟ کیا کوئی بھی مذہبی رہنما، تنظیم یا مسلکی دھڑا نفیرِ عام کا اعلان کر سکتا ہے یا یہ محض اور صرف ریاست کا اختیار ہے؟ نصوصِ شرعیہ، سنتِ رسولؐ اور اصولِ فقہ کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ اعلان صرف اور صرف ریاست، حاکمِ وقت یا اس کے مقرر کردہ باقاعدہ نمائندے ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فتح مکہ کے بعد اب ہجرت باقی نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم سے (ریاست/حکمران کی طرف سے) نفیرِ عام کا مطالبہ اور پکار کی جائے تو تم فوراً نکل کھڑے ہو۔ (صحیح البخاري:2783)

اس حدیث سے بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ اپنے طور پر جہاد کی فرضیت کا فتویٰ لگا کر سڑکوں پر نکلنے یا سرحدیں پار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، جب تک کہ ریاست کا حکمران اور عسکری قیادت یہ باضابطہ فیصلہ نہ کر لے کہ اب جنگ میں کودنا ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں اس شخص کا جہاد ہی بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور اجر کا باعث مانا گیا ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے، اپنے قانونی امام و امیر کی کامل اطاعت کرتے ہوئے اور زمین میں فساد، فتنہ اور انارکی سے بچتے ہوئے لڑے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے حاکم یا امام کی نافرمانی کر کے خود ساختہ جہاد اور قتال کرتا ہے، اس کے اس عمل کو جہاد کے بجائے "فساد فی الارض" قرار دیا گیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جہاد دو طرح کے ہیں: ایک جہاد وہ ہے جس میں جہاد کرنے والا صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کا طالب ہو، اپنے امیر کی کامل اطاعت کرے، اپنا پسندیدہ مال اللہ کے راستے میں خرچ کرے، اپنے ساتھ کام کرنے والے شریک کو سہولت پہنچائے، اور ہر قسم کے فساد و فتنہ سے خود کو اور دوسروں کو بچائے، تو اس کا سونا اور جاگنا (تمام حرکات و سکنات) سب کچھ باعثِ اجر و ثواب ہوگا۔ اور دوسرا جہاد وہ ہے جس میں جہاد کرنے والا محض ریاکاری، دکھاوے اور شہرت کے لیے قتال کرے، اپنے امیر اور حاکم کی نافرمانی کرے اور زمین میں فساد و انارکی پھیلائے، تو ایسا شخص برابری کی سطح پر بھی واپس نہیں لوٹے گا (بلکہ گناہ گار ہو کر لوٹے گا)"۔ (سنن أبي داود: 2515، وسنن النسائي:3188)

تاریخِ اسلام کے جلیل القدر آئمہ، محدثین اور فقہاء کا اس بات پر مکمل اور غیر متزلزل اجماع رہا ہے کہ جہاد صرف ریاست اور حاکم کی معیت میں ہی ممکن ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی واضح اور قاطع قول ہے کہ جہاد امیر کے ساتھ ہی ہوگا اور امیر کے وجود و اجازت کے بغیر شرعی جہاد برپا نہیں ہو سکتا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا یہ مسلّم اور بنیادی عقیدہ و ضابطہ ہے کہ حج، جہاد، جمعہ اور عیدین کے اجتماعات صرف امراء اور حکمرانوں کی سربراہی اور باقاعدہ اجازت سے ہی قائم ہوں گے، خواہ وہ امیر نیک ہوں یا ظالم و بدکار۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ جہاد کا فرائض میں سے ہونا اور اس کا منظم انعقاد ریاست اور حکمران ہی کی ذمہ داری ہے۔ فقہ حنبلی کے عظیم الشان امام، امام ابن قدامہ مقدسی حنبلی رحمہ اللہ بھی جنہیں فقہِ احمد بن حنبل میں نہایت نمایاں اور سند کا

بقیہ صفحہ نمبر-22-

کیا خلافِ شریعت ہر فیصلہ کفر ہے؟

خوارج کے سطحی فہم پر علمائے امت کی کاری ضرب

اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے کے معاملے میں خوارج کا موقف انتہائی متشدد، سطحی اور ظاہری لفظ پرستی پر مبنی تھا جس کی وجہ سے انہوں نے امت کے کبار صحابہ اور گناہگار مسلمانوں کی تکفیر کر کے فتنہ و فساد کا دروازہ کھولا۔

علماءِ امت نے قرآن و سنت کی گہری روح اور سلف صالحین کے آثار کی روشنی میں ایک نہایت متوازن اور علمی موقف پیش کیاکه اگر کوئی حاکم یا فرد شر یعت کو برحق اور واجب العمل ماننے کے باوجود اپنے نفس کی کمزوری، دنیاوی لالچ، بھول چوک، سیاسی مصلحت یا خطائ اجتہادی کی وجہ سے اللہ کے حکم کے خلاف کوئی فیصلہ کر بیٹھتا ہے اور دل میں اپنے عمل کو گناہ اور شر یعت کی نافرمانی سمجھتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتابلکه گنہگار ہوتا ہے

مفتی سعید احمد مروت

یہ سوال کہ کیا اللہ تعالی کے نازل کردہ احکام کے برعکس کوئی فیصلہ صادر کرنا یا سیاسی مصلحت کے تحت شرعی قانون کے خلاف حکم دینا کسی انسان کو دائرہ ایمان سے یکسر محروم کر سکتا ہے، تاریخِ اسلام کے ان بنیادی اور اہم فکری معرکوں میں سے ایک ہے جس نے امت میں گہرے علمی مباحث کو جنم دیا۔ قدیم و جدید خوارج کا بنیادی المیہ یہ رہا ہے کہ وہ ایمانی اور فقہی مسائل میں گہرائی، سیاق وسباق اور نیتوں کے احوال کو یکسر نظر انداز کر کے صرف لفظی جکڑ بندیوں کے اسیر ہو گئے۔ ان کی اسی سطحیت اور جمود کا ایک ہولناک مظہر ان کا وہ موقف ہے جو انہوں نے "الحكم بغير ما أنزل الله" یعنی اللہ کے نازل کردہ احکام کے علاوہ فیصلہ کرنے کے معاملے میں اپنایا۔ ان کا یہ متشدد اور غیر لچکدار عقیدہ ہے کہ جو کوئی بھی زندگی کے کسی بھی معاملے میں خواہ وہ سیاسی ہو، سماجی ہو یا انفرادی اللہ کی شریعت کے بجائے کسی دوسرے قانون، مصلحت یا نظریے کے تحت فیصلہ کرتا ہے، وہ بالکلیہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ابدی طور پر جہنم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ خوارج نے اپنے اس متشدد تکفیری موقف کی بنیاد قرآن کریم کی ان آیات پر رکھی جن میں اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو کافر، ظالم یا فاسق کہا گیا ہے، بالخصوص سورہ المائدہ کی وہ آیات جن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

کہ جو شخص اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں (وَمن لم يَحكُم بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الكَفِرُونَ)۔ امام أبو بكر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے خوارج کا ضلالت آمیز طرزِ فکر واضح کرتے ہوئے لکھتے ھیں: "وقد تأوّلت الخوارج هذه الآية على تكفير من ترك الحكم بما أنزل الله من غير جحود لها, وأكفروا بذلك كلّ من عصى الله بكبيرة أو صغيرة" یعنی خوارج نے اس قرآنی آیت کی من مانی اور فاسد تاویل کرتے ہوئے ہر اس حاکم یا قاضی کو کافر قرار دے دیا جو کسی بھی وجہ سے اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑ دے، خواہ وہ دل سے اس الٰہی حکم کا منکر اور جاحِد نہ بھی ہو۔ ائمہ اور علماء امت نے خوارج کے اس نظریے کا نہایت باریک بینی اور فقہی بصیرت کے ساتھ علمی محاکمہ کیا اور یہ واضح کیا کہ اللہ کی شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے کا معاملہ کوئی ایک رخ یا سادہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ انسانی احوال، نیتوں اور دلی عقائد کے بدلنے سے مکمل طور پر بدل جاتا ہے لہٰذا خلافِ شریعت ہر فیصلہ انسان کو اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ علامہ ابن ابی العز حنفیؒ اس کلامی نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: "وهنا أمر يجب أن يتفطن له وهو: أن الحكم بغير ما أنزل الله: قد يكون كفراً ينقل عن الملّة. وقد يكون معصية: كبيرة أو صغيرة. ويكون كفراً: إما مجازيًا، وإما كفراً أصغر على القولين المذكورين، وذلك بحسب حال الحاكم" یعنی یہاں ایک نہایت اہم اور باریک فقہی معاملہ ہے جس پر توجہ دینا لازم ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے علاوہ فیصلہ کرنا کبھی تو ایسا کفرِ اکبر بن جاتا ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ سے مکمل طور پر خارج کر دیتا ہے لیکن کبھی یہ محض ایک عملی نافرمانی اور گناہ ہوتا ہے، خواہ وہ گناہِ کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ اور بعض احوال میں یہ عمل کفرِ مجازی یا کفرِ اصغر (یعنی دائرہ اسلام سے نہ نکالنے والا چھوٹا کفر) کہلاتا ہے اور اس پورے معاملے کا دارومدار بالکل فیصلہ کرنے والے حاکم یا قاضی کی قلبی حالت اور نیت پر ہوتا ہے۔ اس زریں اصول کے مطابق اللہ کے قانون کے علاوہ فیصلہ کرنا صرف اسی صورت میں انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے جب اس کے پیچھے مخصوص قلبی امراض اور باطل عقائد موجود ہوں۔ ان میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ انسان شریعت کے علاوہ کسی دوسرے انسانی قانون یا فیصلے کو دل سے اچھا، برتر اور شریعت سے زیادہ موزوں سمجھے۔ علامہ کنگراویؒ خوارج کے استدلال کا محققانہ تجزیہ کرتے ہوئے صراحت فرماتے ہیں: "ترك الحكم وإبطاله ورغبة عنه وتحسينا للعدول عنه إلى غيره. هذا الذي يدل عليه العبارة. وهو كفر لا اختلاف فيه. وإنما النزاع في المذنبين من أهل الملة الذين يقرّون بذنوبهم ويعترفون بقبحها عند الله. فيخافون عذابه ويرجون مغفرته تصديقا لما أنزل الله سبحانه فلم يكونوا ممن لم يحكم به" یعنی قرآنی آیت میں جس کفر کا ذکر ہے، اس سے مراد اللہ کے حکم کو سرے سے معطل کرنا، اسے باطل قرار دینا، اس سے دل موڑ لینا اور اس الٰہی حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے انسانی ضابطے کو زیادہ اچھا اور مناسب سمجھنا ہے۔ یہی وہ صورت ہے جس پر آیت کی عبارت دلالت کرتی ہے اور اس کے کفرِ اکبر ہونے میں امت کے اہل سنت علماء کے درمیان کوئی دو رائے نہیں ہیں۔ اصل جھگڑا اور خوارج کی کھلی غلطی تو ملتِ اسلامیہ کے ان گناہگاروں کو اس حکم میں گھسیٹنا ہے جو اپنے گناہوں اور غلط فیصلوں پر نادم ہوتے ہیں، اللہ کے حضور ان کے برا ہونے کا اعتراف کرتے ہیں، اس کے عذاب سے لرزتے ہیں اور اس کے نازل کردہ دین کی سچائی کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ ایسے خطا کار لوگ ہرگز ان منکرین میں شامل نہیں ہیں جنہوں نے سرکشی اور تکبر کی بنیاد پر اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ دوسری صورت جس میں یہ عمل کفرِ اکبر بن جاتا ہے، وہ اللہ کے حکم کا صریح انکار کرنا یا شریعت کا استخفاف اور استہزاء کرنا ہے۔ امام ابوبکر جصاصؒ سورہ المائدہ کی آیتِ تکفیر کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس الٰہی فرمان کا مقصد یا تو شرک اور حق کا صریح انکار کرنے والا کفر ہے، یا پھر بغیر انکار کے محض نعمت کی ناشکری والا کفر ہے:

"فإن كان المراد: جحود حكم الله، أو الحكم بغيره مع الإخبار بأنه حكم الله، فهذا كفر يخرج عن

الملة، وفاعله مرتد إن كان قبل ذلك مسلما، وعلى هذا تأولّه من قال: إنها نزلت في بني إسرائيل وجرت فينا، يعنون: أن من جحد منا حكم الله أو حكم بغير حكم الله ثم قال: إنّ هذا حكم الله، فهو كافر كما كفرت بنو إسرائيل حين فعلوا ذلك"

یعنی اگر آیت سے مراد اللہ کے حکم کا دل سے انکار کرنا ہو یا اللہ کی شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا فیصلہ صادر کرنا اور پھر افترا پردازی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا ہو کہ یہی اللہ کا اصلی قانون ہے تو ایسا کفر انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور اس کا مرتکب اگر پہلے مسلمان تھا تو وہ مرتد ہو جائے گا۔ اسی حقیقی معنی پر ان مفسرین کے اقوال محمول ہیں جنہوں نے فرمایا کہ یہ آیت اگرچہ بنی اسرائیل کے مخصوص پس منظر میں نازل ہوئی تھی لیکن اس کا اصولی ضابطہ ہم پر بھی نافذ ہوتا ہے یعنی امتِ مسلمہ میں سے بھی جو کوئی اللہ کے قائم کردہ حکم کا انکار کرے گا یا کسی دوسرے انسانی قانون کے مطابق فیصلہ کر کے یہ جھوٹا دعویٰ کرے گا کہ یہ اللہ کا قانون ہے تو وہ اسی طرح کافرِ مطلق ہو جائے گا جیسے بنی اسرائیل اپنی اسی قبیح حرکت کی وجہ سے دائرہ ایمان سے خارج ہوئے تھے۔ اسی تائید میں علامہ ابو البرکات النسفیؒ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"(ومن لم يحكم بما أنزل الله) مستهيناً به (فأولئك هم الكافرون) قال ابن عباس رضى الله عنهما: »من لم يحكم جاحداً فهو كافر، وإن لم يكن جاحداً فهو فاسق ظالم«"

یعنی جو شخص بھی اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے جبکہ اس کے دل میں اس حکم کی توہین، ناقدری اور تحقیر کا جذبہ ہو تو ایسے لوگ کافر ہیں۔ اس سلسلے میں ترجمانِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ زریں اور فیصل ضابطہ ہے کہ: جس نے اللہ کے حکم کا دل سے انکار کرتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ کیا وہ کافر ہوا اور جو منکر تو نہیں ہے لیکن عمل میں مغلوب ہو کر یا کوتاہی کر کے خلاف ورزی کر گیا وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں بلکہ فاسق اور ظالم ہے۔

بقیہ: حکمران کی اجازت

مقام حاصل ہے بی اپنی شہرہ آفاق کتاب میں رقمطراز ہیں کہ جہاد کا تمام تر فیصلہ، اس کی شروعات اور التوا صرف اور صرف امام (حکمران) کا اختیار ہے اور اس معاملے میں اس کی اطاعت واتباع فرض ہے۔ اسی طرح فقہ مالکی کا بھی اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ قتال اور جہاد کا اعلان صرف امیر ہی کرے گا اور عوام وخواص پر حکمران کے اعلان وفیصلے کی پابندی لازم ہوگی؛ امام حطاب مالکی رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ فقہ حنفی میں بھی اس پر تمام آئمہ کا مکمل اتفاق ہے کہ حاکم اور امام کی اجازت کے بغیر جہاد کی نیت سے جنگ چھیڑنا غیر شرعی ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق اور دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھنے والی کتاب "اعلاء السنن" میں رقمطراز ہیں: "جہاد کے لیے امیر متعین کرنے کی شرط اور جب مسلمانوں کا کوئی امیر نہ ہو تو پھر الگ تھلگ ہو جانے کا حکم: اس حدیث میں واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ جہاد کے لیے شرعی اور قانونی طور پر امیر کا متعین ہونا بنیادی شرط ہے اور اس کے بغیر جہاد ہرگز درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر امیر کے ساتھ مل کر جہاد کرنا تم پر لازم ہے۔ اور جب مسلمانوں کا کوئی باقاعدہ امیر یا ریاست نہ ہو تو پھر قتال اور جہاد بھی نہیں ہوگا۔ ہاں ایسی حالت میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نظم اور امیر کی تلاش وقیام کی کوشش کریں۔ جہاد کے امیر کے بغیر درست نہ ہونے کی سب سے بڑی صریح دلیل بخاری شریف میں منقول حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی وہ طویل اور معروف حدیث ہے جس میں فتنوں کے دور میں مسلمانوں کے عام امیر کی بات ماننے، اس کی اطاعت کرنے اور ہر حال میں مسلمانوں کی مرکزی جماعت اور ریاست کے ساتھ جڑے رہنے کا واضح حکم دیا گیا ہے اور اگر ریاست و جماعت نہ ہو تو ان تمام خودساختہ گروہوں اور فرقوں سے الگ تھلگ رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ شریعت اسلامی نے کسی بھی عام شہری، مذہبی رہنما، کسی تنظیم کے امیر یا یہاں تک کہ کسی عام فوجی یا فوج کے نچلی سطح کے افسر کو بھی اس بات کی مطلق اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے طور پر سرحد پر یا ملک کے اندر کسی ملک کے خلاف جنگ چھیڑ دے، دشمن پر حملہ کر دے یا از خود جنگ شروع یا ختم کرنے کا اعلان کرے۔ کسی بھی خودمختار ریاست کا اعلیٰ ترین سربراہ اور اس کا مرکزی نظم ہی یہ تمام فیصلے کرنے کا واحد اور شرعی مجاز ہے۔

نبوی ﷺ وراثت کا تقدس اور ارضی اقتدار کا فرق

منصبِ افتاء کو حریفوں کی سرفگنی کا ہتھیار بنادیا جائے اور مدارس کی روحانی ہیبت کو ووٹ بینک کی تسخیر کے لیے داؤ پر لگا دیا جائے تو یہ علمِ دین کی روح پر کاری ضرب ہے۔

مدارس اور علماء کو سیاسی وانتخابی استحصال سے آزاد کیوں رہنا چاہیے؟

ایک فکرانگیز تحریر

مولانا ناز اہد عباسی

علم ودانشِ اسلام کوئی دنیاوی ترکہ، روایتی فلسفہ یا سیاسی ترغیب نہیں بلکہ نبوی امانت کی وہ لاریب تجلی ہے جو روح کو بیدار کرنے اور ضمیر کو باطل کی غلاظتوں سے پاک کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ یہ کائنات کی پاکیزہ ترین میراث ہے جو امتِ مسلمہ کو براہِ راست سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلۂ وراثت سے عطا ہوئی۔ اس کا بنیادی مقصد انسانیت کا اخلاقی تزکیہ، روحانی بالیدگی اور فکری ہدایت ہے، نہ کہ بالادستی کی ہوس یا عارضی انتخابی مفادات۔ پاکستان کے موجودہ سیاسی وسماجی جمود میں جب مقدس محراب ومنبر کو اقتدار کی شطرنج پر پیادوں کی طرح استعمال کیا جائے، منصبِ افتا کو حریفوں کی سرفگنی کا ہتھیار بنادیا جائے اور مدارس کی روحانی ہیبت کو ووٹ بینک کی تسخیر کے لیے داؤ پر لگا دیا جائے تو یہ علمِ دین کی روح پر کاری ضرب ہے۔ قرآن و سنت کی ابدی ہدایت صراحت کے ساتھ جھنجھوڑ رہی ہے کہ الٰہی بصیرت کو ارضی اقتدار، عارضی جاہ وجلال اور مفاد پرستی کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ تاریخِ انبیا کا عمیق مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ جملہ رسل علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی محور یہی رہا کہ وہ اپنی اصلاحی جدوجہد کے بدلے کسی دنیاوی اجر یا سیاسی مراعات کے طالب نہ تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَسۡأَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ أَجۡرٍۖ إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الۡعَالَمِينَ

اور میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں، میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمے ہے۔ (سورۃ الشعراء: 109)

جب زہد وتقویٰ اور دینی اتھارٹی اقتدار کے گلیاروں میں سوداگری پر اتر آئے تو امت ایک ایسے گہرے اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتی ہے جہاں سے واپسی کے راستے مسدود ہونے لگتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علما کے حقیقی مقام اور ان کے ترکے کی نوعیت کو یوں واضح فرمایا:

إِنَّ الۡعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الۡأَنۡبِيَاءِ، وَإِنَّ الۡأَنۡبِيَاءَ لَمۡ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرۡهَمًا، وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الۡعِلۡمَ، فَمَنۡ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ"

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے درہم و دینار کا ترکہ نہیں چھوڑا بلکہ انہوں نے صرف علم کی وراثت چھوڑی ہے پس جس

نے اسے حاصل کر لیا اس نے پورا حصہ پا لیا۔(سنن ابی داؤد: 3641،سنن الترمذی:2682)

قرآنِ مجید میں مسجدِ ضرار کے واقعے کا ذکر اسی طرزِ فکر اور رویے کے خلاف ایک دائمی اور آفاقی انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں مذہبی لبادے اور دینی علامت کو امت میں تفریق ڈالنے، انتشار پھیلانے اور سیاسی تقسیم کو تقویت دینے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ انتخابی موسم میں مساجد کے مقدس منابر اور مدارس کی پاکیزہ درسگاہوں کو کسی مخصوص امیدوار کی مہم، ووٹرز کی گھیرا بندی یا سیاسی نعرے بازی کے لیے وقف کر دینا اسی مذموم طرزِ عمل کی ایک جدید شکل ہے جس کی شریعت اور عہدِ نبوی ﷺ میں سخت ترین الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات کی رو سے ہر عمل کی مقبولیت اور اس کی روحانی قدر کا انحصار نیت کی پاکیزگی اور للّٰہیت پر ہے۔ اگر کوئی صاحبِ علم اللہ کی رضا، حق کی سربلندی اور امت کی حقیقی اصلاح کے بجائے کسی سیاسی سرپرست کو خوش کرنے، ووٹ حاصل کرنے یا انتخابی مفاد سنوارنے کے لیے دینی رائے یا فتویٰ جاری کرتا ہے تو اس عمل کی دینی، اخلاقی اور علمی قدر و قیمت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں ہمارے اسلاف کی تاریخ اور روایات ہمارے لیے روشن مشعلِ راہ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ جیسے جلیل القدر فقہی و علمی رہنما نے وقت کے جابر حکمرانوں کی جانب سے اعلیٰ ترین عدالتی و سیاسی منصب کی پیشکش کو صرف اس لیے یکسر رد کر دیا اور قید و بند کی تلخ ترین صعوبتیں برداشت کیں تاکہ ان کی علمی آزادی، فکری خودمختاری اور دینی وقار پر کوئی حرف نہ آئے۔ یہ تاریخ ساز کردار اس بات کا واضح سبق دیتا ہے کہ علما کو اپنی علمی و دینی خودمختاری کا تحفظ کرتے ہوئے ہر قسم کی سیاسی اثر پذیری اور انتخابی فریقین کے آلہ کار بننے سے خود کو ہمیشہ دور رکھنا چاہیے۔ ریاستِ پاکستان کا دستور اس کے انتخابی قوانین اور ضوابط بھی اس بات کی کامل توثیق کرتے ہیں کہ مذہبی جذبات، مساجد یا دینی مدارس کو جماعتی سیاست، لسانی و مذہبی منافرت اور ووٹوں کے حصول کے لیے استعمال کرنا قانونی اور اخلاقی طور پر سخت ناپسندیدہ اور جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ قانونی حائلیاں قرآنِ کریم کے اس آفاقی حکم سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں جس میں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنے اور دانستہ سچائی کو چھپانے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک انتہائی فکر انگیز پیشگوئی میں خبردار فرمایا تھا کہ علم لوگوں کے سینوں سے یکا یک غائب نہیں ہوگا بلکہ سچے اور متقی علما کے اٹھ جانے سے علم اٹھتا جائے گا، جس کے بعد جاہل لوگ دینی مسندوں پر براجمان ہو کر بغیر علم و بصیرت کے فتوے دیں گے اور وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور عامۃ المسلمین کو بھی گمراہی کے اندھیروں میں دھکیلیں گے۔ جب سیاسی کارکن یا دنیا پرست عناصر انتخابی مقاصد کے لیے مذہبی مقتدا یا دینی اتھارٹی کا روپ دھار لیتے ہیں تو معاشرے میں وہی خطرناک فکری، نظریاتی اور دینی انتشار جنم لیتا ہے جس سے بچنے کی دینِ اسلام نے سخت تاکید کی ہے۔

ریاستِ پاکستان کا موجودہ ضابطہ جاتی نظام، قومی یکجہتی کی پالیسی، مدارس کی رجسٹریشن اور ان کے تعلیمی نصاب کو عصری ضروریات اور قومی تعلیمی دھارے میں شامل کرنے کی جو سعی کر رہا ہے، اس کا بنیادی مقصد ان عظیم اداروں کے تقدس کو بحال رکھنا اور انہیں کسی بھی قسم کی عسکریت پسندی، فرقہ وارانہ کشمکش یا سیاسی بھرتی گاہ بننے سے محفوظ بنانا ہے۔

اسلام کامل خیر خواہی، اخلاص اور اصلاحِ احوال کا نام ہے اور ایک سچے مسلمان بالخصوص عالمِ دین کی بنیادی ذمہ داری پورے معاشرے کی اصلاح، اتحاد اور ریاست کے استحکام کے لیے مخلصانہ جدوجہد کرنا ہے، نہ کہ سیاسی جوڑ توڑ اور مفاد پرستی کا حصہ بننا۔ جب قریشِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے مشن سے باز رکھنے کے لیے اقتدار، بے شمار مال و دولت اور اعلیٰ سماجی مرتبے کی پیشکش کی تھی تو آپ ﷺ نے سورج اور چاند کی مثال دے کر ہر قسم کی دنیاوی و سیاسی مراعات کو ایک لمحے میں ٹھکرا دیا تھا۔ یہ واقعہ اصولی خودمختاری، عظمتِ فکر اور مشن کی سچائی کی وہ تابناک مثال ہے جو ہر صاحبِ علم کو کسی بھی سیاسی لالچ یا مراعات کے مقابلے میں اپنے حقیقی نبوی فریضے سے وفادار رہنے کا سبق دیتی ہے۔ پاکستان کی بقا، ترقی اور پائیدار فکری استحکام کا راز ایسے جید، غیر جانبدار اور باوقار علما میں مضمر ہے جو اپنے علم، دیانت، اور نیابتِ نبوی کے عظیم فریضے کی پاسداری کرتے ہوئے ملک و ملت کی اصلاحی خدمت کریں، نہ کہ کسی مخصوص سیاسی، جماعتی یا انتخابی وابستگی کے قیدی بن کر اپنے مقام کو گرا دیں۔

قرآنِ حکیم کا ابدی وعدہ ہے کہ جو شخص تقویٰ، للّٰہیت اور اللہ کا خوف اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کے راستے خود پیدا فرما دیتا ہے۔ تمام تر سیاسی، تحریکی اور جماعتی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر اپنی دینی و علمی خودمختاری کو برقرار رکھنا ہی وہ اصولی اور مبارک راستہ ہے جو نہ صرف وراثتِ نبوی کے عظمت والے تقدس کا ضامن ہے بلکہ ریاستِ پاکستان کی فکری، اخلاقی اور قانونی بنیادوں کو مستحکم کرنے کا سب سے مؤثر اور واحد ذریعہ بھی ہے۔

حکمران کے عوام پر دس بنیادی حقوق

> "شریعتِ اسلامیہ کی رو سے کسی بھی نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لیے جائز امور میں حکمرانِ وقت کی اطاعت عوام پر شرعاً واجب اور لازمی ہے"

> "آقا کریمؐ نے عام المسلمین کے علاوہ جن مخصوص طبقات کیلئے خیر خواہی کو ایمان کا تقاضا قرار دیا، ان میں وقت کے حکمران بالخصوص شامل ہیں"

> "حکمرانوں سے عوام کا تعلق محبت والفت کا ہونا چاہیے۔ عوام کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں سے محبت کریں اور ان کیلئے خیر کی دعا کریں"

> شرعی وانتظامی احکام کا تقاضا ہے کہ حکمران کے مقام و مرتبے کا احترام کیا جائے، انہیں ملت کا حصار مانا جاتا ہے، انہیں کی اوٹ میں جہاد کیا جائے

> جب حاکم وقت نفیرِ عام کا اعلان کردے اور ہر شہری کو میدان میں نکلنے کا حکم دے تو پھر کسی شخص کیلئے اس فرمان سے انحراف جائز نہیں رہتا

ابن الحسن
(حصہ اول)

اسلامی ریاست میں فرد اور ریاست کا تعلق باہمی ذمہ داریوں، حسنِ معاشرت اور عدل کے اصولوں پر قائم ہے۔ دینِ اسلام جہاں رعایا کو جان، مال، آبرو اور بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضامنی فراہم کرتا ہے اور حکمرانوں کو ان کے فرض کی ادائیگی اور عدلِ وانصاف پر مبنی فیصلے کرنے کی سختی سے ہدایت کرتا ہے، وہیں معاشرتی نظم وضبط اور مملکت کے استحکام کے لیے رعایا پر بھی کچھ ایسے سنجیدہ حقوق عائد کرتا ہے جن کی پاسداری نظامِ حکومت کی ہموار کارکردگی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ جہاں ہم اکثر و بیشتر نجی محافل، بیٹھکوں اور سوشل میڈیا پر اپنے شہری اور انسانی حقوق کا مطالبہ کرتے دکھائی دیتے ہیں، وہیں ہم دینی وقانونی طور پر لازم کیے گئے حکمران کے ان حقوق کو اکثر پسِ پشت ڈال دیتے ہیں جو ہم عوام پر لازم کئے گئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالی ہے کہ "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی"۔ یہ آیتِ کریمہ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اسلامی معاشرے میں حکمرانِ وقت کا احترام، اس کی اطاعت اور ریاست کے ساتھ وفاداری صرف ایک معاشی یا سیاسی ضرورت نہیں بلکہ ایک ایمانی وشرعی فریضہ ہے۔ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں حکمرانوں کے حقوق اور ان کی اطاعت کی اہمیت کو کھل کر بیان فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے کہ جو شخص اپنے امیر یا حکمران سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اسے

ناپسند ہو، تب بھی اسے چاہیے کہ وہ صبر سے کام لے کیونکہ جو شخص جماعت یا ریاست کی اطاعت سے ایک بالشت برابر بھی باہر نکلتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ دینِ اسلام نے اطاعتِ فرماں روائی کو اس شرط کے ساتھ فرض کیا ہے کہ وہ معصیت اور گناہ کا حکم نہ دے کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت ممکن نہیں۔ جب تک حکمران کا حکم دین کے مسلمہ اصولوں کے منافی نہ ہو، تب تک ریاست کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے، بدنظمی اور فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے حکمران کی بات ماننا، اس کے لیے خیر خواہی کی نیت رکھنا، اس کی پیٹھ پیچھے اس کی غیبت اور غیر ضروری تنقید کے بجائے اس کے لیے ہدایت کی دعا کرنا رعایا کی بنیادی دینی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ دور میں ہم اپنے حقوق کا تو شدت سے تقاضا کرتے ہیں لیکن جب ان فرائض اور حقوق کی باری آتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم پر حکمران کے حوالے سے عائد کیے ہیں، تو ہماری رویوں میں غفلت اور لاپروائی نمایاں نظر آتی ہے۔ آج کی اس "نشست" میں ہم عوام کے ذمے حکمرانوں کے دس بڑے حقوق پر گفتگو کریں گے۔

1- جائز اُمور میں حکمران کی اطاعت کرنا

شریعتِ اسلامیہ کی رو سے کسی بھی نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لیے جائز امور میں حکمرانِ وقت کی اطاعت عوام پر شرعاً واجب اور لازمی ہے۔ اگر امیر یا حکومت کسی ایسے امر کا حکم دے جو معصیت نہ ہو تو اس پر عمل درآمد کرنا تمام شہریوں پر فرض ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کام حکم سے پہلے محض ایک جائز یا مباح حیثیت رکھتا تھا لیکن حاکم کا حکم شامل ہوتے ہی وہ وجوب کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ اس اصولی و فقہی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فقہائے کرام نے واضح کیا ہے کہ اگر امامِ وقت تمام عوام کو کسی معین دن نفل روزہ رکھنے کا حکم دیدے تو اس دن روزہ رکھنا واجب ہو جائے گا۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ متعدد جلیل القدر فقہائے کرام کے حوالہ جات سے تحریر فرماتے ہیں: "جس کام میں گناہ اور معصیت نہ ہو، اس میں امام کی اطاعت واجب ہے۔ چنانچہ اگر وہ کسی خاص دن روزہ رکھنے کا حکم دے تو عوام پر روزہ رکھنا واجب ہو جائے گا اور اگر کسی مباح کام سے روک دے تو اس سے رکنا بھی واجب ہو جائے گا یعنی وہ کام حکماً ناجائز قرار پائے گا۔" اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ اصل شرعی حکم بدل گیا ہے بلکہ شریعت میں وہ مباح ہی رہتا ہے لیکن نظمِ مملکت اور اطاعتِ امام کے تقاضے کے تحت اس پر پابندی کا احترام لازم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتِ وقت کی طرف سے پبلک مفاد میں نافذ کردہ ٹریفک کے قواعد و ضوابط کی پابندی کرنا صرف قانونی ہی نہیں بلکہ صریح شرعی ذمہ داری اور واجب ہے۔ سیاسی اور معاشرتی امن کو برقرار رکھنے کے لیے اطاعتِ امیر کی اس اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، خواہ حالات کتنے ہی نازک کیوں نہ ہو جائیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! ہم شر کے دور میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خیر (اسلام) عطا فرمائی۔ کیا اس خیر کے بعد پھر کوئی شر آئے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔" میں نے عرض کی: "کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں۔" میں نے پوچھا: "کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟" فرمایا: ہاں، میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو میرے ہدایت کے راستے پر نہیں چلیں گے اور نہ میری سنت کو اپنائیں گے۔ ان میں ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جن کے جسم انسانی ہوں گے مگر دل شیطانوں جیسے ہوں گے۔" میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "امیر کا حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا خواہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے ہی کیوں نہ برسا دیے جائیں اور تمہارا مال چھین ہی کیوں نہ لیا جائے پھر بھی سننا اور اطاعت کرنا"۔

جب تک حکمران کا حکم شریعت کے صریح احکام کے خلاف نہ ہو، اس کی اطاعت مملکت کے استحکام اور معاشرتی امن و امان کی بنیادی ضامن ہے۔

2- حکمران کی خیرخواہی چاہنا

دینِ اسلام کی اساسی تعلیمات کا محور محض ظاہری عبادات ہی نہیں بلکہ حقوق العباد کی پاسداری اور ایک خیرخواہانہ معاشرتی رویے کا فروغ ہے۔ سرورِ کونین، ختمِ مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق دین کی اصل روح اور تجسیم سراسر خیرخواہی ہے، یعنی کوئی بھی فرد اس وقت تک کاملِ ایمان یا حقیقی دین داری کا دعویدار نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل انسانیت کی بھلائی اور خیر طلبی کے جذبے سے معمور نہ ہو۔ خیرخواہی ایک ایسا جامع فکر

عمل ہے جو جمیع حقوق العباد کا احاطہ کرتا ہے، جب انسان کسی کا سچا خیر خواہ بن جاتا ہے تو وہ اسے برسرِ عام طعن و تشنیع اور تذلیل کا نشانہ بناتا ہے، نہ اس کے خلاف بغض و نفرت کی آتش بھڑکاتا ہے اور نہ ہی اس کی ذات کے لیے ناشائستہ الفاظ و القاب روا رکھتا ہے بلکہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کو بالکل اپنی قدر و منزلت کی مانند عزیز سمجھتا ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام المسلمین کے علاوہ جن مخصوص طبقات کے لیے خیر خواہی کو ایمان کا تقاضا قرار دیا، ان میں وقت کے حکمران بالخصوص شامل ہیں۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ تاکیداً ارشاد فرمایا کہ دین تو سراسر خیر خواہی کا نام ہے"، اور جب صحابہ کرام نے استفسار کیا کہ اے اللہ کے رسول! کس کے لیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔"موجودہ دور میں جہاں سوشل میڈیا کی بے ہنگام آزادی اور اظہارِ رائے کے غلو نے معاشرتی توازن کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، وہاں اس نبوی ہدایت پر عمل پیرا ہونا ناگزیر ہو چکا ہے۔ حکمرانوں کی خیر خواہی سے مراد ان کی بے جا مداحی یا غلط اقدامات کی تائید ہرگز نہیں بلکہ ان کی اصلاحِ احوال کے لیے خلوصِ نیت کے ساتھ آئینی و اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے مثبت رہنمائی، ملکی نظم و ضبط کا احترام اور فتنہ و انارکی پھیلانے کے بجائے ریاست و ملت کے استحکام کی سعی کرنا ہے۔ اس لیے آج کے دَور کے شدید ہیجان اور ہیجان انگیزی کے ماحول میں ان احادیث کی روح کو سمجھنا اور اسے اپنے عملی و تعبیراتی رویوں کا حصہ بنانا بے حد ضروری ہے۔

3. امیر کا اکرام کرنا اور توہین سے بچنا

حکمرانوں سے عوام کا تعلق محبت و الفت کا ہونا چاہیے۔ عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں سے محبت کریں اور ان کے لیے خیر کی دعا کریں جبکہ یہی مخلصانہ رویہ حکمرانوں کی طرف سے بھی اپنی رعایا کے لیے ہونا چاہیے۔ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں تم ان کے حق میں دعائے خیر کرو اور وہ تمہارے حق میں دعائے خیر کریں۔ اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تمہیں ناپسند کریں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔'' عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم ان کی بیعت توڑ کر ان کے خلاف بغاوت نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں' جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں اور جب تم اپنے حکمرانوں میں کوئی ناگوار چیز دیکھو تو اس کے برے عمل کو ناپسند کرو لیکن اس کی اطاعت کرنا ہرگز نہ چھوڑو۔'' نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے یہ روشن ہدایت ملتی ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کی خدمت میں کسی قوم کا بڑا، امام یا حاکم تشریف لاتا تو آپ ﷺ اس کے مقام و مرتبے کے مطابق اس کا پورا اکرام فرماتے خواہ وہ مسلمان ہوتا یا غیر مسلم۔ کسی بھی قوم کے پیشوا کو عزت دینا سیرتِ طیبہ کی عالمگیر تعلیم ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کا نصاب اس قدر وسیع اور ظرف پر مبنی ہے کہ فرمایا گیا جو شخص جاہلیت کے زمانے میں اپنی قوم کا سردار تھا، اسلام لانے کے بعد بھی اس کی سرداری بحال رکھی جائے گی۔ لوگوں کے مرتبے اور مناصب کا لحاظ رکھتے ہوئے ان سے شائستہ سلوک کرنا اسلام کے بنیادی آداب میں شامل ہے، اسی لیے حاکم کا احترام کرنا اور اس کی توہین سے بچنا دین کی اہم تعلیم ہے۔ اس تعظیم کی معنوی اور شرعی اہمیت کا اندازہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیثِ مبارکہ سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ان تین لوگوں کی عزت و توقیر کرنا بھی اللہ تعالی ہی کی تعظیم کرنا ہے: بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا، قرآن مجید کے حافظ کی تعظیم کرنا جو قرآن میں غلو کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی اس سے روگردانی کرنے والا ہو اور عادل بادشاہ کی عزت کرنا۔ ایک دوسری حدیثِ مبارکہ میں بھی یہی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ لوگوں کی قدر و منزلت کو ملحوظ رکھنا شریعت کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے ساتھ رویہ ان کے رتبے کے مطابق کیا کرو۔ حاکمِ وقت کی تحقیر و توہین معاشرے میں انارکی، انتشار اور بے برکتی کو ہوا دیتی ہے، جبکہ حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اس کی توقیر اور اطاعت، باہمی عدل اور امن کی ضامن بنتی ہے۔ لہٰذا امیر کا اکرام کرنا، اس کی توہین سے گریز کرنا اور احترام پر مبنی رویہ اختیار کرنا اسلام کی سنہری تعلیمات کا روشن حصہ ہے۔

(جاری ہے)

رحمت، عدل اور صبر

انتہا پسندی کے اندھیروں میں قرآنی و نبویؐ اخلاقیات کا اجالا

جہاں ربِ ذوالجلال کی ہدایات اور نبی کریمؐ کا اسوہ انسان کو نفس کے ضبط، باہمی برداشت اور صابرانہ استقامت کا درس دیتا ہے، وہاں شدت پسندی کا خونی طوفان عقل کو مفلوج کر کے جذباتیت، اشتعال انگیزی اور بے رحم تشدد کی آگ بھڑکا دیتا ہے

عبداللہ فاروقی

قرآنی و نبوی اخلاقیات کا اصل جو ہر صبر، رحمت اور عدل پر قائم ہے، یہ وہ روشن ستون ہیں جو انسانی معاشرے کو پرامن، متوازن اور عادلانہ بنیاد فراہم کرتے ہیں لیکن جب انتہا پسندانہ فکر و عمل اس مقدس فضا میں زہر گھولتا ہے تو یہ صرف چند اصولوں کو پامال نہیں کرتا بلکہ قرآنِ مجید کی ان اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کو ذبح کر کے ان کی جگہ نفرت، انتقام اور بربریت کے بھیانک بت نصب کر دیتا ہے۔ جہاں ربِ ذوالجلال کی ہدایات اور نبی کریمؐ کا اسوہ انسان کو نفس کے ضبط، باہمی برداشت اور صابرانہ استقامت کا درس دیتا ہے، وہاں شدت پسندی کا خونی طوفان عقل کو مفلوج کر کے جذباتیت، اشتعال انگیزی اور بے رحم تشدد کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔ قرآنِ پاک کی عالمگیر رحمانیت کو چھوڑ کر سنگ دلی، سفاکی اور نفرت کو دین کا لباس پہنا دیا جاتا ہے اور باری تعالیٰ کے مطلق عدل و انصاف کے مقدس تقاضوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ذاتی و گروہی انتقام کی بھیانک پیاس کو مذہب کا مقدس نام دے دیا جاتا ہے۔ یہ وہ روح فرسا فکری دجل ہے جو پورے معاشرتی شیرازے کو لمحوں میں بکھیر کر انسان کو درندہ بنا دیتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں صبر، رحمت اور عدل کی ان تینوں الہامی بنیادوں کا فکری و عملی احیا محض ایک دینی ضرورت نہیں بلکہ اس وحشت ناک تباہی کے سامنے آخری ڈھال ہے۔ اگر اس ابدی سچائی کو دوبارہ دلوں میں نہ اتارا گیا تو شدت پسندی کا یہ اژدہا ہماری نسلوں کے امن و امان اور اخلاقی وجود کو نگلتا رہے گا۔ ان قرآنی اقدار کو زندہ کرنا ہی اس زہریلی ذہن سازی کے جذباتیت پر مبنی تانے بانے کو تار تار کر سکتا ہے اور ایک ایسا پائیدار سماجی ماحول تخلیق کر سکتا ہے جہاں عدل و رحمت کا نور پھیلتے ہی شدت پسندی کی بھیانک تاریکیاں اور اس کی خونی جڑیں خود بخود کافور ہو جائیں۔

اس حقیقت سے کوئی ذی شعور انکار کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ صبر، رحمت اور عدل قرآن و سنت کی وہ زریں بنیادیں ہیں جن کے اتصال سے ایک متوازن، پرامن اور اعلیٰ اخلاقی انسانی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ یہ تینوں صفات محض انفرادی خوبیوں تک محدود نہیں بلکہ ایک ایسی اخلاقی ڈھال ہیں جو انسان کو کسی بھی قسم کے غلو، جذباتی رو اور انتہا پسندانہ رویوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ قرآنِ کریم

میں رب العزت کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! صبر کرو، ثابت قدم رہو، ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ" (آل عمران 200:3)

یہ فرمانِ الٰہی واضح کرتا ہے کہ اسلام میں صبر کسی کمزوری، بزدلی یا بے عملی کا نام نہیں بلکہ یہ باطنی استحکام، اعلیٰ نظم وضبط اور حق کی راہ میں پختہ عزم کا مظہر ہے۔ اشتعال انگیزی کے وقت غصے میں آ کر فوری اور پرتشدد ردِعمل کا مظاہرہ کرنا قرآن کے بتائے ہوئے اس اصولِ استقامت سے صریح انحراف ہے۔ مومن کا ہر قدم بصیرت اور حکمت کے تحت اٹھتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے مومن کے شایانِ شان رویے کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا: "مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملے میں اس کے لیے خیر ہے" (صحیح مسلم، 2999)

مومن مسرت وآسودگی میں شکر گزاری کو اپنا شعار بناتا ہے اور مشقت وتکلیف میں صبر واستقامت کو، جو اس کے پختہ روحانی و اخلاقی وجود کا بین ثبوت ہے۔ حقیقی طاقت کا پیمانہ جسمانی جثہ یا ظاہری تسلط نہیں بلکہ نفس اور جذباتی ہیجان پر مکمل کنٹرول ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے طاقت کے روایتی اور ظاہری تصور کو بدلتے ہوئے ارشاد فرمایا: "طاقتور وہ نہیں جو کشتی میں دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔ (صحیح البخاری، 6114)

یہ فرمان اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے کہ غصے، سنگ دلی اور پرتشدد رویوں کو شجاعت اور راست بازی کا نام دینا تعلیماتِ نبوی کی روح کے بالکل منافی ہے، کیونکہ حقیقی بہادری کا مظاہرہ بیرونی طاقت کے بجائے اپنے اندرونی غیظ وغضب کو رام کرنے میں ہے۔ اسلامی تعلیمات کا درخشندہ اور مرکزی محور رحمت ہے۔ باری تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کا بنیادی مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے" (الانبیاء 107:21)

رحمت کوئی اتفاقی یا ثانوی قدر نہیں بلکہ یہ رسالت کے ہمہ گیر مقصد کی روح ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتی صفت کے بارے میں ارشاد فرمایا: "میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے" (الاعراف 156:7)

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے دن کے ہر عمل اور ہر عبادت کا آغاز "الرحمٰن، الرحیم" کی تسبیح سے کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے انسانی رشتوں میں اسی شفقت کو قائم کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا" (سنن الترمذی، 1924)

لہٰذا، جو فکر یا رویہ ظلم، قساوتِ قلبی اور بے گناہ انسانوں کی اذیت کو روا رکھے، وہ اس وسیع تر رحمتِ الٰہی اور سنتِ نبوی کے سراسر منافی ہے۔ اس اخلاقی عمارت کا توازن عدل کے بغیر ممکن نہیں۔ قرآنِ مجید نے مسلمانوں کو بغیر کسی تفریق اور تعصب کے، حق اور انصاف کے علمبردار بننے کا حکم دیا ہے: "اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو، اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو، خواہ وہ گواہی خود تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو" (النساء 135:4)۔ اسلام کا عدل گروہی، مسلکی یا ذاتی مفادات سے بلند تر ہے۔ کسی قوم یا فرد سے شدید ترین دشمنی بھی ظلم اور ناانصافی کا جواز نہیں بن سکتی، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: "کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے" (المائدہ 8:5)

کسی بھی شکوے یا تنازع کی بنیاد پر پوری کی پوری برادری، قبیلے یا آبادی کو نشانہ بنانا اور اجتماعی سزا دینا اس بلند تر قرآنی معیارِ عدل کی صریح خلاف ورزی ہے۔ بعثت سے قبل حضرت محمد ﷺ کا حلف الفضول جیسے تاریخی معاہدے میں شریک ہونا جس کا مقصد قبیلے اور نسب کی تمیز کے بغیر مظلوم کی نصرت کرنا تھا اور پھر دورِ نبوت میں بھی یہ فرمانا کہ اگر ایسے معاہدے کے لیے دوبارہ بلایا جائے تو آپ اسے خوش دلی سے قبول کریں گے، اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ کمزور کا ساتھ دینا اور بلا تفریق عدل کی فراہم کاری آپ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ کا درخشندہ اصول رہا ہے۔ صبر، رحمت اور عدل کے آپسی امتزاج ہی سے ایک اعلیٰ انسانی کریکٹر تشکیل پاتا ہے۔ صبر اگر رحمت اور شفقت سے خالی ہو جائے تو وہ محض ایک سرد اور بے حس برداشت بن کر رہ جاتا ہے۔ رحمت اگر عدل اور اصولوں سے خالی ہو جائے تو وہ اخلاقی کمزوری کا روپ دھار لیتی ہے اور عدل اگر صبر وضبط سے خالی ہو تو وہ سختی، انتقام اور جارحیت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ تینوں قرآنی ستون مل کر ایک ایسا ناقابلِ تسخیر اخلاقی نظام قائم کرتے ہیں جس کی تابانی کے سامنے انتہا پسندی اور عدمِ برداشت کا کوئی نظریہ ٹھہر نہیں سکتا۔ یہی وہ نیکی، خیر اور احسان کا راستہ ہے جس کی بابت ربِ ذوالجلال فرماتا ہے: "نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟" (الرحمٰن 60:55)۔

تسخیرِ قلوب سے تعمیرِ امن تک:

فتحِ مکہ کا اخلاقی و روحانی انقلاب

تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو" کے فرمانِ نبویؐ نے فتح کے نام پر قتل و غارت، لوٹ مار اور انتقام کے تمام تر روایتی پیمانوں کو باطل قرار دے دیا

اسلام کی اصل روح دلوں کو جوڑنے، زخموں پر مرہم رکھنے اور انتقامی جنون کو نبویؐ رحمت، اور آغوشِ محبت میں تحلیل کر دینے میں پنہاں ہے

اسلامی نقطہ نظر سے اصلاح کا اصل مقصد باطل نظریات، فاسد خیالات اور گمراہی کی علامتوں کا خاتمہ کرنا ہوتا ہے نہ کہ انسانوں کو قتل کرنا یا ان کے جسموں کو نشانہ بنانا

نصر اللہ حقانی

فتحِ مکہ انسانی تاریخ کی جبینِ مبین پر ثبت وہ عظیم الشان اخلاقی، روحانی اور فکری انقلاب تھا جس نے فتح و نصرت، تسخیر اور انتقام کے تمام تر روایتی و فرسودہ تصورات کو ہمیشہ کے لیے پیوندِ خاک کر دیا۔ قریشِ مکہ کی آٹھ سالہ طویل، سفاکانہ اور روح فرسا ایذا رسانیوں، بظاہر بے بس و لاچار مسلم اقلیت پر ڈھائے جانے والے انسانیت سوز مظالم، بالآخر اپنے آبا و اجداد کے مسکن کو چھوڑ کر ہجرتِ مدینہ پر مجبور کر دینے والی جگر سوز داستانوں اور پھر پے در پے مسلط کی جانے والی خونریز و تباہ کن جنگوں کے سیاہ باب کے بعد جب نبیِ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن 8 ہجری میں دس ہزار قدسی صفت صحابہ کرام کے لشکرِ جرار کے ساتھ فاتحانہ شکوہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی حدود میں داخل ہوئے تو چشمِ فلک ٹھٹھک گئی اور تاریخ کا دھارا خوف و ترصد سے کانپ اٹھا کہ شاید آج صدیوں کے انتقام کا کوئی ہولناک اور خونچکاں باب رقم ہونے کو ہے۔ اہل قریش اپنے کیے کی پاداش میں خوف سے لرزاں تھے اور انتقام کی آگ کے شعلے بلا رہے تھے مگر سرورِ کائنات، شاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح و اقتدار کے اوجِ ثریا پر متمکن ہو کر بھی غرور و تکبر کا شائبہ تک نہ لوٹنے دیا بلکہ اپنے سرِ مبارک کو بارگاہِ الٰہی میں عجز و انکسار اور سپاس گزاری سے اس حد تک جھکا دیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک اونٹنی کے کجاوے کو چھونے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ کو عفو و درگزر، تسامح اور بے مثال درگزر کی ایسی خنک و معطر شبنم سے

ہمیشہ کے لیے بجھا دیا جس کی نظیر نہ جاہلیت کے عرب نے دیکھی تھی نہ متمدن دنیا کی کسی سلطنت نے۔"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو" کے فرمانِ نبویؐ نے فتح کے نام پر قتل و غارت، لوٹ مار اور انتقام کے تمام تر روایتی پیمانوں کو باطل قرار دے دیا۔ یہ درخشندہ اور تابناک تاریخ، انتہا پسندی، اجتماعی سزا، تفرقہ پروری اور خونریزی کے ہر باطل و ہلاک آفریں نظریے کے منہ پر وہ دندان شکن اور عقل کو دنگ کر دینے والا اخلاقی رد ہے جو روزِ روشن کی طرح ثابت کرتا ہے کہ اسلام کی اصل روح انسانیت کو کاٹنے، بانٹنے اور تاراج کرنے میں نہیں بلکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے، زخموں پر مرہم رکھنے اور انتقامی جنون کو نبوی ﷺ رحمت، وسیع القلبی، رواداری اور آغوشِ محبت میں تحلیل کر دینے میں پنہاں ہے۔ جب قریش کے وہ تمام لوگ جنھوں نے طویل سالوں تک مسلمانوں پر ناگفتہ بہ مظالم ڈھائے تھے، انہیں گالیاں دیں، ان پر معاشی و سماجی بندشیں عائد کیں، انہیں ان کے گھروں اور آبائی وطن سے نکلنے پر مجبور کیا اور ہجرت کے بعد بھی مدینہ پر بار بار حملہ آور ہو کر جنگیں مسلط کیں، صحنِ کعبہ میں خوف و ہراس کے عالم میں اپنے حتمی انجام یعنی قتل یا غلامی کے منتظر کھڑے تھے، تو فاتحِ اعظم ﷺ نے ان پر کسی قسم کا عتاب نازل کرنے یا ان سے سابقہ مظالم کا حساب مانگنے کے بجائے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس تاریخی اور روحانی قول کا اعادہ فرمایا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (القرآن، سورۃ یوسف 92:12)

اس ارشادِ گرامی کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے "اِذْہَبُوا وَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" (جاؤ تم سب آزاد ہو) کا خطبہ دیتے ہوئے سب کو یکسر معاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف ان کے جرائم سے چشم پوشی کی بلکہ انہیں ان کی جان، مال اور آبرو کے ساتھ آزادانہ زندگی گزارنے کا حق عطا فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہی ایک بے مثال اور ہمہ گیر عام امان کا اعلان فرما دیا تھا، جس کے بنیادی نکات درج ذیل اصولوں پر مبنی تھے کہ جو شخص مسجدِ حرام کے مقدس احاطے میں داخل ہو جائے وہ مکمل طور پر محفوظ ہے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ رہے اس پر کوئی دست درازی نہیں کی جائے گی اور جو شخص قریش کے سردار ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اسے بھی کامل امان حاصل ہے۔ ایک ایسا فاتح جس کے پاس مکمل عسکری غلبہ، بے پناہ طاقت اور اپنے تمام دشمنوں کو تختہ دار پر لٹکا دینے کا قانونی و اخلاقی اختیار تھا، اس نے انتقامی کارروائی کے بجائے تحفظ، سلامتی اور ہمدردی کا ضابطہ نافذ کیا۔ مکہ جو دہائیوں سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں، بغض اور خونریز جنگوں کا مرکز بنا ہوا تھا، وہ تقریباً بغیر کسی خونریزی یا تصادم کے فتح ہو گیا۔ سیرت کا یہ چمکتا ہوا باب ان تمام انتہا پسندانہ نظریات، متشدد افکار اور گمراہ کن تاویلات کی جڑ کاٹ دیتا ہے جن کا دعویٰ ہے کہ اسلامی غلبے، نفاذِ شریعت یا فتح کے لیے قتلِ عام، اجتماعی سزاؤں، انفراسٹرکچر کی تباہی یا شکست خوردہ اور مغلوب آبادیوں پر مظالم ڈھانا ضروری یا جائز ہے۔

فتحِ مکہ کے موقع پر درگزر کی جو مثالیں سامنے آئیں، وہ صرف اجتماعی سطح تک محدود نہ تھیں بلکہ انتہائی دردناک اور گہرے ذاتی صدمات کے باوجود آپ ﷺ نے افراد کو معاف فرمایا۔ غزوۂ اُحد میں نبی کریم ﷺ کے محبوب ترین چچا، سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسدِ مبارک کی بے حرمتی کرنے والی ان کا جگر چبانے والی اور اعضا کاٹنے والی خاتون جب فتحِ مکہ کے بعد خوف زدہ ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور بیعت کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس بے پناہ گہرے اور تکلیف دہ ذاتی صدمے اور زخم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انہیں معاف فرما دیا اور ان کا اسلام قبول کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اتنے بڑے ذاتی صدمے کے باوجود درگزر اور اصلاح کو اختیار فرمایا تو آج کوئی بھی سیاسی، مذہبی یا مسلکی شکایت، شکوہ یا تنازع پاکستانی شہریوں، معصوم بچوں، خواتین اور عام آبادی کے خلاف انتہا پسندانہ خونریزی، بم دھماکوں اور قتل و غارت کا کوئی دینی و عقلی جواز پیش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن

ابوجہل کے بیٹے تھے اور جنہوں نے ہر غزوے اور محاذ پر مسلمانوں کے خلاف سخت ترین جنگ لڑی تھی، فتحِ مکہ کے بعد انتقام کے خوف سے یمن کی طرف فرار ہو گئے لیکن جب ان کی اہلیہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے ان کے لیے امان مانگی تو آپ ﷺ نے بلاشبہ امان عطا فرمائی۔ جب عکرمہ واپس لوٹے تو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ ان کے سامنے ان کے والد (ابوجہل) کو برا نہ کہا جائے تاکہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔ آپ ﷺ نے نہایت گرم جوشی اور پرخلوص انداز میں آگے بڑھ کر ان کا استقبال فرمایا اور ارشاد فرمایا: خوش آمدید، اے ہجرت کرنے والے سوار!" اس واقعے سے اسلام کا یہ محکم اور ابدی اصول ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کو اس کے والد، خاندان یا قبیلے کے جرائم یا دشمنی کی سزا ہرگز نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی قرابت داری کی بنیاد پر کسی پر ظلم جائز ہے۔ جب خانۂ کعبہ کے گرد صدیوں سے قائم تین سو ساٹھ بتوں کو گرا کر پاک کیا جا رہا تھا تو نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ ﷺ بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور زبانِ مبارک پر کسی فتح کا غرور یا مخالفین کے لیے طعنہ زنی کے بجائے قرآنِ کریم کی یہ الہامی آیت جاری تھی:

اور فرما دیجیے: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔ (القرآن، سورۃ الاسراء 81:17)

اس مبارک عمل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے اصلاح کا اصل مقصد باطل نظریات، فاسد خیالات اور گمراہی کی علامتوں کا خاتمہ کرنا ہوتا ہے نہ کہ ان انسانوں کو قتل کرنا یا ان کے جسموں کو نشانہ بنانا جو ماضی میں لاعلمی، جہالت یا گمراہی کی وجہ سے ان باطل نظریات کا شکار رہے تھے۔ اس سیدھے اور روشن نبوی اسوہ کے سامنے وہ تمام انتہا پسند، تکفیری اور فتنہ پرور گروہ جو پاکستان کے شہروں، بازاروں، مساجد، سکولوں اور آبادیوں کو نشانہ بناتے ہیں محاصرے کرتے ہیں، قیدیوں کے ذبح اور قتلِ عام کی ویڈیو بناتے ہیں، اور پوری برادریوں کو بے گھر کر کے اپنے ان بھیانک اور غیر انسانی افعال کے لیے اسلام یا جلبِ منفعت کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ درحقیقت فتحِ مکہ کے حقیقی روح، سیرتِ طیبہ اور اسلامی تعلیمات کے یکسر برعکس اور ان کی کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ سیرتِ طیبہ کا یہ درخشاں واقعہ بلاشبہ یہ ثابت کرتا ہے کہ طاقت، عسکری قوت اور غلبے کے نتیجے میں حاصل ہونے والا اختیاراتی مقام محض اللہ کی امانت ہے، جسے صرف اور صرف رحمت، عدل، حکمت، نرمی اور ذمہ داری کے ساتھ استعمال کیا جانا چاہیے، نہ کہ خوف، دہشت، بربریت اور انارکی پھیلانے کے لیے۔ قرآنِ مجید نے انسانی معاشرے کی تعمیر و نو اور تنازعات کے حل کے لیے ایک زبردست اور عالمگیر اخلاقی معیار مقرر فرمایا ہے:

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ (القرآن، سورۃ الشوریٰ 40:42)

نبی کریم ﷺ نے فتحِ مکہ کے دن دہائیوں کے مظالم، خونریزی اور ناانصافیوں کا بدلہ لینے کی 100 فیصد صلاحیت اور اقتدار رکھنے کے باوجود بدلہ لینے پر معافی، درگزر اور اصلاحِ احوال کے نبوی راستے کو ترجیح دی۔ یہی وہ اخلاقی اور روحانی بنیاد ہے جس کی روشنی میں آج پاکستان کے اندر پائیدار امن، معاشرتی ہم آہنگی، مذہبی رواداری اور استحکام قائم کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فتحِ مکہ دنیا کے ان تمام عناصر، سوچ اور تنظیموں کے لیے اسلام کا ایک ناقابلِ تردید، حتمی اور دائمی جواب ہے جو انتقام، اجتماعی سزاؤں، انسانیت سوز مظالم یا دہشت گردی کو دین داری یا راست بازی کا نام دینے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ جب سید الانبیاء ﷺ کو تمام مخالفین پر کامل اور مطلق اقتدار حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے انتقام کے بجائے رحمۃ للعالمینی کا علم بلند کیا۔ لہٰذا پاکستان میں فتنے، انارکی، تکفیر اور انتہا پسندی کو فروغ دینے والے عناصر کے پاس اپنے سفاکانہ اور خونریز اقدامات کے لیے سرورِ کائنات ﷺ کے واضح، روشن اور متفقہ اسوہ حسنہ کے برخلاف دہشت، تشدد اور قتلِ عام کو اختیار کرنے کا کوئی اخلاقی، علمی، شرعی یا دینی جواز سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔